© rasailojaraid.com

فکر و نظر............ اسلام آباد جلد: ۴۸ شمارہ: ۲

قطعِ حیات بہ جذبۂ رحم (Euthanasia) کی شرعی حیثیت☆

ڈاکٹر (مفتی) محمد شمیم اختر قاسمی☆☆

ABSTRACT

Whenever a person is confronted with domestic problomes or social responsibilities or fails to attain a worldly ranke or position, he feels grief for the time-being. Some people, faced with such circumstances at times commit suicide just to avoid more failures or frustration. No society has ever approved such undesirable act. Islam forbids committing of suicise as Haram. Islam decrees that for those who commit suicide, their abode is hell. The law of the land does not hold suicide as something bad as all people have their sway over themselves. However attempt at committing suicide is a crime. It would mean that if some one attempts to commit suicide but fails to accomplish the intention will be punished. This article carries debate on the issue.

جب کبھی کوئی آدمی شخصی یا گھریلو الجھنوں اور سماجی ذمہ داریوں سے دو چار ہوتا ہے، یا اپنے حسب منشاء عہدہ و منصب کے حصول میں ناکام ہوتا ہے، تو وقتی طور پر اس کا رنج اسے بہت ہوتا ہے۔ اسی کرب میں کچھ لوگ خود کشی بھی کرلیتے ہیں، تاکہ اس کا واسطہ آئندہ مزید ناکامیوں و نامرادیوں سے نہ پڑے۔ اس نامناسب اقدام کو کسی بھی سماج و معاشرہ میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ اسلام بھی اس عمل کو حرام قرار دیتا ہے۔ ایسا کرنے والوں کا ٹھکانہ سوائے جہنم کے اور کہیں نہیں ہے۔ جب کہ ملکی قانون میں یہ اقدام بذات خود کوئی برا نہیں ہے اور نہ قابل مواخذہ ہے، کیوں کہ ہر شخص اپنی ذات کا مالک ہے اور وہ اس میں تصرف کرنے کا پورا اختیار رکھتا ہے۔ البتہ اقدام خودکشی کو ضرور جرم قرار دیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ کوئی شخص خودکشی کا اقدام کرے اور کسی وجہ سے وہ اس میں ناکام ہو جائے تو ایسی صورت میں اسے سزا دی جائے گی۔

☆ زیرنظر موضوع مقالہ پر محققین دو آراء رکھتے ہیں۔ ایک رائے پیش خدمت ہے، دوسری رائے کے حاملین کے لیے فکر ونظر کے صفحات حاضر ہیں۔ [مدیر]

☆☆ ریسرچ فیلو، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، نبی نگر، دھرا، علی گڑھ (یو-پی) انڈیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یوتھینزیا (Euthanasia) کیا ہے؟

اسی کے زیر اثر اب یہ رجحان بھی بڑھ رہا ہے کہ اگر کوئی شخص پیدائشی طور پر لاعلاج بیماری میں مبتلا ہے، یا عمر کے کسی بھی حصے میں وہ لاعلاج اور مہلک بیماری کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کی حالت مثل مردہ کے ہو جاتی ہے، جو خود سے اپنا کوئی کام نہیں کر سکتا ہے، یہاں تک کہ اس کے جسم پر جو مکھی بیٹھی ہوئی ہے، اسے بھی وہ بھگا نہیں سکتا ہے، اس کی ساری ضرورتوں کی تکمیل اس کے قریب ترین رشتہ دار انجام دیتے ہیں، تکلیف بھی اتنی شدید ہے کہ مریض ہر وقت کراہتا اور ایڑیاں رگڑتا رہتا ہے، اس کی تکلیف اس کے رشتہ داروں سے دیکھی نہیں جاتی اور اس کی وجہ سے اس کے احباب ہر وقت حراساں و پریشان بھی رہتے ہیں۔ اسی طرح بعض مریضوں کی تکلیف کی شدت کم کرنے کے لئے دوا اور آلات کے ذریعہ مستقل طور پر بے ہوشی میں رکھا جاتا ہے۔ اس صورت میں اگر ان تدبیروں کو بروئے کار نہ لایا جائے تو مریض کا زندہ رہنا مشکل ہو جاتا ہے اور اس کی تکلیف میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایسے وقت میں مریض خود یا اس کے قریبی رشتہ دار چاہتے ہیں کہ ایسے شخص کا زندہ رہنا نہ رہنے کے برابر ہے، تو کیوں نہ اسے مناسب تدبیر کے ذریعہ موت کے آغوش میں پہنچا دیا جائے۔ اس طرح سے مریض کو بھی ناقابل برداشت تکلیف سے نجات مل جائے گی اور ان کے احباب کو بھی پریشانیوں سے چھٹکارا مل جائے گا، جو مریض کی دیکھ بھال اور اس کی خدمت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اسی عمل کو جدید علم طب میں 'یوتھینزیا' (Euthanasia) کہا جاتا ہے۔ یعنی ''قطع حیات بہ جذبۂ رحم'' جس کے لئے Mercy Killing کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔ جب کہ ڈکشنری میں اس لفظ کے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں:

"Frequently interpreted as the painless Killing of a person suffering from an incurable disease"(۱)

یوتھینزیا (Euthanasia) کی قسمیں:

عام طور سے یوتھینزیا (Euthanasia) کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں: عملی (Active)، غیرعملی (Passive)(۲) دونوں کا تھوڑے سے فرق کے ساتھ ایک ہی مطلب ہے، یعنی قطع حیات بہ جذبۂ رحم۔

عملی (Active) یوتھینزیا کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مہلک بیماری مثلاً کینسر یا دماغی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بخار یا پھر طویل بے ہوشی میں مبتلا ہو جائے اور ڈاکٹروں نے اس کی بیماری کو لاعلاج قرار دے دیا ہو اور اس کی بقاء زندگی کی بھی کوئی توقع نہ ہو۔ باوجود اس کے تکلیف بھی اتنی شدید کہ وہ ہر وقت بے چین اور ایڑیاں رگڑتا رہتا ہے، ہر طرح کی احتیاطی تدابیر، علاج اور دواؤں کے باوجود بھی اس کی تکلیف کے ازالہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، البتہ مصنوعی آلات کے ذریعہ اس کی سانس کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں مریض کی تکلیف کی شدت کم کرنے کے لئے مہلک انجکشن یا تیز ادویہ زیادہ مقدار میں دے دی جائیں تاکہ اس کی سانس رک جائے اور وہ آسانی سے موت کی آغوش میں چلا جائے۔

غیر عملی (Passive) میں شدید تکلیف میں مبتلا شخص کو مارنے کی کوئی ترکیب نہیں کی جاتی، بلکہ مریض کو زندہ رکھنے کے لئے جو ادویہ یا آلات استعمال کیے جاتے ہیں اسے روک دیا جائے تاکہ وہ تڑپ تڑپ کر اپنی موت آپ مر جائے اور اس طرح مریض کو شدید تکلیف سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے۔ اس کے قریبی رشتہ داروں کو بھی مریض کی وجہ سے جن پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے اس سے انہیں چھٹکارا مل جائے۔

لاعلاج بیماری میں اضافی تکلیف:

اسی غیر عملی یوتھینزیا کی ایک دوسری نوعیت یہ ہے کہ کوئی شخص پیدائشی طور پر یا وقتی طور پر کسی لاعلاج بیماری میں مبتلا ہے، مثلاً دماغی بخار، پولیو، نمونیہ، کینسر، یا شدید بڑھاپا یا اپاہج وغیرہ جو بذات خود مہلک اور تکلیف دہ بیماریاں ہیں، جن کا ڈاکٹروں کی تشخیص کے مطابق کوئی بہتر علاج نہیں۔ ایسی صورت میں وہ مزید کسی دوسری نئی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو کیا اس نئی بیماری کا علاج کرایا جائے؟ یا نہیں، جب کہ وہ پہلے سے ہی لاعلاج بیماری میں مبتلا ہے اور اس نئی بیماری کے علاج سے شفایابی کے باوجود اس کی صحت پر کوئی خاص اثر پڑنے والا نہیں ہے۔

یوتھینزیا (Euthanasia) سے متعلق کوئی بھی مریض ہو سکتا ہے:

یوتھینزیا(Euthanasia) سے متعلق کوئی بھی مریض ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک بچہ پیدائشی طور پر مفلوج اور اپاہج ہے، یا بعد میں وہ کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو گیا، جس کا علاج زندگی کے کسی حصے میں بھی ممکن نہیں، پوری زندگی اسے بستر مرض پر پڑا رہنا پڑے گا۔ اپنے قریبی رشتہ داروں کے رحم و کرم پر وہ کسی طرح زندہ ہے۔ اسی طرح کوئی شخص عمر کی ساری منزلیں بہت اچھی طرح سے گزارنے کے بعد آخر میں جب اس پر بڑھاپا طاری ہوا تو صحت بہت خراب ہو گئی، وہ اس لائق بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں رہا کہ اپنی کسی بھی ضرورت کی خود سے تکمیل کر سکے، اس کے حواس بھی اس قدر مختل ہو گئے کہ اچھے برے کی تمیز بھی جاتی رہی، تکلیف اور پریشانی کا غلبہ اس حد تک ہے کہ وہ ہر وقت تڑپتا اور چیختا چلاتا رہتا ہے۔ دوا سے بھی اس کی تکلیف کم نہیں ہوتی۔ اس صورت میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایسے مریض کو مناسب تدبیر کے ذریعہ قبل از وقت مار دیا جائے تاکہ خود مریض اور اس کے متعلقین کے حق میں زیادہ تکلیف اور پریشانی کا باعث نہ ہو۔

اس طرح کا اقدام تاریخ کے کسی دور میں کیا گیا؟

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مرض کی بھیانک صورتیں ہر عہد اور زمانے میں رونما ہوئی ہیں اور تکلیف کی حدوں کو پار کرنے کے باوجود بھی ناقابل علاج مریضوں کو ہر ممکن زندہ رکھنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ تاوقتیکہ وہ اپنی موت آپ مر جائے۔ دانستہ طور پر مریض یا اس کے متعلقین کے ذہن میں اس طرح کا تصور نہ پیدا ہوتا تھا کہ لاعلاج مریضوں کو مناسب تدبیر کے ذریعہ قبل از وقت موت کے آغوش میں پہنچا دیا جائے۔ جب کہ پچھلے چند سالوں سے اس کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں اور یہ دلیل دی جاتی ہے کہ ایسا کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔ یہ عمل تو مریض کے حق میں ہمدردی پر مبنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برطانوی شہنشاہ جارج پنجم کو ۱۸۶۵ء میں اس عمل کے ذریعہ موت کے آغوش میں پہنچا دیا گیا، باوجود اس کے کہ اس عمل میں تیزی نہیں آئی تھی۔

یہ آواز کب سے بلند ہو رہی ہے؟

کہا جاتا ہے کہ Derek Humpry کی بیوی ۱۹۸۰ء سے کچھ پہلے کینسر کی بیماری میں مبتلا ہوئی، جسے ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے دیا۔ اس بیماری میں ہر وقت وہ تڑپتی اور بلکتی رہتی تھی۔ جب تکلیف اپنی حدوں کو پار کر گئی اور جب اسے برداشت کرنے کی طاقت نہ رہی تو اس کی بیوی نے اپنی مرضی سے ایک معاہدہ کے تحت اپنی جان مناسب تدبیر کے ذریعہ ختم کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ زہریلی شراب پلاکر اس کی جان ختم کر دی گئی اور ہمیشہ کے لئے وہ اس پریشانی سے نجات پاگئی۔ اس حادثہ کا Derek Humpry پر خاصا اثر پڑا اور اسی دن سے وہ یوتھینزیا (Euthanasia) کا وکیل بن گیا۔ بیوی کے انتقال کے کچھ دنوں بعد ہی اس نے دوسری شادی کر لی اور دونوں میاں بیوی نے مل کر جگہ جگہ اس کی ترجمانی اور وکالت کی۔ اس موضوع پر اس نے باضابطہ ایک کتاب لکھی جس کا نام اس نے جینس وے (Jen's Way) رکھا۔ پھر ۱۹۸۰ء کے قریب اس کی دوسری کتاب Let me die beforee I wake منظر عام پر آئی۔ اسی موضوع پر اس نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیسری کتاب لکھی جس کا نام The right to die under standing Euthanasia رکھا۔ اس کی یہ ساری کتابیں خاص طور پر امریکہ میں خوب پڑھی گئیں۔ اس کتاب کی اشاعت نے اسے عوام میں مقبول بنا دیا۔ ان کتابوں کی آمدنی سے اس نے Hemlock Society بھی قائم کی، جہاں لاعلاج اور ضعیف العمر مریضوں کے لئے یوتھینز یا (Euthanasia) پر عمل کرنے کی ترغیب دی جاتی تھی۔ اس سے اس کا مدعا یہ تھا کہ جو لاعلاج مریض بڑی تعداد میں اسپتالوں میں موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا ہیں اور جو برائے نام زندہ ہیں وہ اس عمل کے ذریعہ اپنی جان ختم کر کے شدید تکلیف سے نجات پا سکیں۔ Derek Humpry نے جو سوسائٹی قائم کی اس کے ممبر صرف امریکہ میں ۱۵ ہزار تھے اور ان میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو پچاس برس کی عمر پار کر چکے اور ان میں بھی زیادہ تر وہ عورتیں ہیں جو اپنے قریبی رشتہ دار مریض کو دیکھ کر متأثر ہوئی ہیں۔ اسی کے زیر اثر یورپی ممالک میں ۳۰ر سوسائٹیاں قائم ہوئیں جن میں تین سوسائٹیاں امریکہ میں ہیں۔ ان میں دو تہائی تعداد Active Euthanasia پر یقین رکھتی ہے۔(۳)

Derek Humpry نے جس یوتھینز یا (Euthanasia) کی وکالت اور حمایت کی ہے وہ Passive Euthanasia ہے۔ یعنی یہ کہ تکلیف دہ بیماری کی تکلیف کم کرنے کے لئے اور اس کی سانس کو برقرار رکھنے کے لئے جو ادویہ یا آلات استعمال کیے جاتے ہیں وہ روک لیے جائیں اور اس کی دوا بند کر دی جائے تاکہ مریض سکون سے دنیا سے رخصت ہو جائے۔(۴)

اس کا اثر دوسرے ممالک میں:

جب یوتھینز یا (Euthanasia) مغربی ملکوں میں مقبول ہونے لگا تو اس کا اثر دوسرے مشرقی ممالک میں بھی پڑا اور کچھ لوگوں کی آواز اس کی حمایت میں بلند ہوئی۔ یہاں تک اب اس کے جواز کے لئے حکومت پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے، جسے کچھ ملکوں نے قبول بھی کر لیا ہے۔ ہندوستان میں مینومسانی جیسے لوگ اس کی وکالت کرنے لگے۔ ان کی صدارت میں Society for right to die with dignity قائم ہے اور ایسے ہی لوگوں کے زیر اثر مہاراشٹر اسمبلی میں ۱۹۸۵ء میں Passive Euthanasia کی حمایت میں ایک غیر سرکاری مسودہ قانون پیش کیا گیا اور اسے رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے گشت کرایا گیا۔ جیسا کہ مولانا جلال الدین عمری کے مندرجہ ذیل اقتباس سے اس کی وضاحت ہوتی ہے:

”Passive Euthanasia کی تائید میں مہاراشٹر اسمبلی میں ۱۹۸۵ء میں پروفیسر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

S.S.Varde نے ایک غیر سرکاری مسودہ قانون پیش کیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ جو مریض ڈاکٹروں کی رائے میں کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ اس کا بچنا ممکن نہ ہو، اسے کوئی ایسی جراحت پہنچی ہو اور وہ بحالت ہوش اپنی آزاد مرضی سے اس خواہش کا اظہار کرے کہ دواؤں کی مدد سے اس کا عرصہ حیات طویل نہ کیا جائے تو اس کے معالجوں کو اختیار ہو گا کہ وہ ایسی دوائیں دینا بند کر دیں جو اس کے جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھ سکتی ہیں، تاکہ وہ جلد اس تکلیف سے نجات پا سکے۔ اس صورت میں اس کے معالجین پر کوئی دیوانی یا فوج داری ذمہ داری عائد نہ ہو گی۔ اس مسودہ قانون میں اس کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص چاہے تو بحالت صحت اپنی اس خواہش کو قلم بند کر دے کہ آئندہ کبھی وہ اس نازک صورت حال سے دو چار ہو تو اس کے ساتھ یہ عمل کیاجائے''۔(۵)

اس عمل کو بروئے کار لانے میں حرج ہی کیاہے؟

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یوتھینیزیا (Euthanasia) کے عمل کو بروئے کار لانے میں لاعلاج اور شدید تکلیف میں مبتلا مریضوں کے ساتھ انتہائی ہمدردی کا پہلو مضمر ہے۔ سماج میں ہر شخص ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے، اس کے دکھ درد میں کام آتا ہے، اچھے برے دنوں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا معاملہ کرتا ہے۔ ایسی صورت میں لاعلاج مریضوں کو وہ تڑپتا ہوا کیسے دیکھ سکتا ہے، تو پھر کیوں نہ یہ جذبہ ہمدردی موت کی نیند سلا دے، تاکہ نہ مریض زیادہ تکلیف اور پریشانیوں سے دوچار ہو اور نہ اس کے متعلقین۔ اس کے علاوہ اس کے علاج پر جو روپے خرچ ہو رہے ہیں وہ محفوظ بھی رہیں۔ اگر مریض یا اس کے قریبی متعلقین کی مرضی سے اس عمل کو بروئے کار لایا جائے تو بظاہر اس میں کیا قباحت ہے؟

کیا اسلام اس عمل کو اختیار کرنے کی اجازت دیتا ہے؟

لیکن اسلامی پہلو سے اس ہمدردی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر اسلام میں اس کی اجازت ہوتی تو پھر وہ خودکشی جیسے اقدام کو ناجائز اور حرام نہ ٹھہراتا۔ یوتھینیزیا (Euthanasia) پر عمل کرنے سے جن مفاسد سے بالخصوص مسلم معاشرہ دوچار ہو گا، وہ خودکشی جیسے اقدام سے کسی قدر کم نہیں۔ اس صورت میں مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کی اجازت ہو گی یا نہیں یہ ایک اہم مسئلہ ہے جس کا حل تلاش کیا جانا از حد ضروری ہے۔ کیوں کہ الٰہی شریعت کا کردار ایک شفیق طبیب کی طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جو مریض کی حالت، عادت، مرض کی قوت اور ضعف کے تقاضے کے مطابق مریض کو مرض کی اصلاح پر آمادہ کرتا ہے، یہاں تک کہ جب مریض کی صحت مستقل ہو جاتی ہے تو اس کے لئے ایک معتدل لائحہ عمل تجویز کر دیتا ہے جو اس کی تمام حالتوں کے مناسب ہوتا ہے۔(۶)

اس سلسلہ میں اسلام کا موقف کیا ہے اس کے جاننے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم اس مسئلہ پر غور کریں کہ اسلام میں انسان کی جان کی کیا قدر و قیمت ہے اور کسی بندہ کو اپنی جان کے ختم کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ جب کوئی انسان بیمار پڑتا ہے تو اس بارے میں مریض، اس کے رشتہ داروں اور ڈاکٹروں کا اخلاقی فریضہ کیا بنتا ہے۔ اس کے بعد بآسانی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام قتل حیات بہ جذبۂ رحم (Euthanasia) کی اجازت دیتا ہے کہ نہیں اور اگر دیتا ہے تو کیوں اور نہیں دیتا ہے تو کیوں اور اس میں کون سی مصلحت مضمر ہے؟

زندگی خدا کی طرف سے عطا کی ہوئی ایک امانت ہے:

انسان دنیا میں آتا ہے تو پہلے اسے بڑے دشوار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ ۹ مہینے مادر شکم میں رہتا ہے، جو ایک طرح سے اس کی دنیا ہوتی ہے۔ پھر وہ ایک خاص وقت میں کٹھن مرحلہ سے گزر کر اس دنیا میں آتا ہے۔ اس وقت نوزائدہ بچے پر کیا گزرتی ہے وہ وہی جانتا ہے، مگر وہ اس تکلیف کا بعد میں اظہار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اس کی ماں کی جو حالت ہوتی ہے اس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے:

"حَمَلَتْهُ اُمُّهُ كُرْهاً وَّوَضَعَتْهُ كُرْهاً." (احقاف:۱۵)

(پیٹ میں رکھا اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے اور جنا اس کو تکلیف سے)

یہ مشیت خداوندی ہے کہ اتنی سخت تکلیف کے باوجود عورت دوسرا بچہ جننے کے لئے عمر کے ایک خاص حصے تک تیار رہتی ہے، ورنہ اس تکلیف کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ ایک بچہ جننے کی تکلیف کا تصور کر کے آئندہ دوسرا بچہ پیدا کرنے کے لئے تیار ہی نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس حالت میں کسی کی موت ہوجاتی ہے تو اسے شہادت کی موت قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"والمرأة تموت بجُمع شهيد."(۷)

(اگر کوئی عورت بچہ جننے کی حالت میں انتقال کرجائے تو وہ شہید کہلائے گی)

فقہاء کے یہاں یہ بھی صراحت ملتی ہے کہ بچہ کی ولادت کے علاوہ مدت نفاس میں بھی خدا نخواستہ کسی عورت کا انتقال ہوجائے تو اسے شہادت کا درجہ حاصل ہوگا اور وہ اجر و ثواب میں شہید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے برابر ہوگی۔(۸)

پیدائش کے بعد سے لے کر بچہ کے ہوش سنبھالنے تک اس کی بڑی حفاظت کی جاتی ہے۔ اگر بچہ کو ہلکی سی بھی تکلیف ہوتی ہے تو ماں تڑپ اٹھتی ہے اور اس کی بے چینی اسے سکون سے رہنے نہیں دیتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بظاہر بچہ کی دیکھ بھال اور اس کی حفاظت والدین کرتے ہیں، مگر درحقیقت اس کی ساری نگہبانی خدائے عز و جل کر رہا ہے جس نے اسے عدم سے وجود بخشا ہے۔ ایسی صورت میں انسان کی جان کا مالک بھی خدا ہی ہے جس نے اس کو پیدا کیا اور وہی اس کی جان ختم کرنے کا اختیار بھی رکھتا ہے۔ اگر کوئی اس کے عطا کردہ وجود میں خلل ڈالتا ہے یا اس کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ عند اللہ مجرم ہو گا۔ جیسا کہ اس نقطہ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا جلال الدین عمری لکھتے ہیں:

> ’’زندگی اور اس کے مسائل کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر موجودہ نقطہ نظر سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ وہ اس دعویٰ ہی کو تسلیم نہیں کرتا کہ انسان اس دنیا میں کسی بھی چیز کا حتیٰ کہ اپنی ذات کا مطلق مالک ہے اور وہ اس میں اپنی آزاد مرضی سے تصرف کر سکتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ پوری دنیا اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور وہ اسے چلا رہا ہے۔ اس لئے وہی اس کا حقیقی مالک بھی ہے۔ اس دنیا میں انسان خود سے نہیں آیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو وجود بخشا ہے اور اسی نے اس کے لئے سامان زیست فراہم کیا ہے۔ اس لئے وہی اس کی ذات پر مالکانہ اقتدار بھی رکھتا ہے۔ انسان اپنی ذات یا اپنے کسی اقدام کے بارے میں کوئی آزادانہ فیصلہ نہیں کر سکتا، ورنہ اس کی حیثیت اس مجرم کی سی ہو گی جو دوسرے کی چیزوں کو اپنی مرضی سے استعمال کرے اور ان کے بارے میں فیصلے صادر کرتا پھرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو یہ فیصلہ کرنے کا حق ہی نہیں ہے کہ اسے کب تک دنیا میں رہنا ہے اور کب یہاں سے کوچ کرنا ہے۔ جس نے زندگی دی ہے وہی فیصلہ کرے گا کہ زندگی کب واپس لی جائے گی‘‘۔(۹)

اللہ کے نزدیک کسی انسان کی جان کتنی محترم ہے اور اس کا دنیا میں آنا کتنا ضروری ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ تنگ دستی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے تاکہ وہ اس کی پرورش کے بوجھ سے آزاد رہیں۔ مگر اسلام نے نہ صرف اس کی مخالفت کی بلکہ اس فعل کو حرام قرار دیا اور فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

”وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيْراً.“ (بنی اسرائیل: ۳۱)

(اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے، ہم ہی روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو بھی، بے شک ان کا مارنا بڑی خطاء ہے۔)

ایک اور مقام پر اسی بات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

”وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ.“ (انعام:۱۵۱)

دونوں آیتوں میں الگ الگ دو لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ ایک وہ ہیں جو فی الحال مفلس تو نہیں ہیں مگر ڈرتے ہیں کہ جب عیال زیادہ ہوں گے تو کہاں سے ان کو کھلائیں گے۔ جب کہ دوسرے طبقہ کو عیال سے پہلے اپنی روٹی کی فکر ستا رہی تھی۔ اس لئے ایک جگہ 'خشية املاق' اور دوسری جگہ 'من املاق' کے ذریعہ خبردار کیا گیا کہ تم کو رزق کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور تم کو بھی۔(۱۰)

کیا اولاد کی ذمہ داریوں سے بچنے کے لئے عزل کیا جا سکتا ہے؟

اگر کوئی آدمی کثرت اولاد کے بوجھ سے چھٹکارا پانے کے لئے بچہ کو وجود میں آنے سے قبل ہی ماں کے شکم میں تلف کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اسلام اس عمل کو حرام ٹھہراتا ہے۔ یا پھر سرے سے ہی کوئی شخص یہ چاہے کہ عورت دوسرا بچہ ہی نہ جنے اور اس کے لئے وہ احتیاطی تدابیر (مباشرت بلا انزال فی الفرج) عمل میں لاتا ہے تو اس عمل کو بھی اسلام نے اچھا قرار نہیں دیا ہے۔ حدیث رسول اللہ ﷺ میں اس کی صراحت موجود ہے:

”جاء رجل من الانصار الی رسول الله ﷺ فقال: ان لی جارية اطوف عليها وانا اكره ان تحمل فقال: اعزل عنها ان شئت فانه سياتيها ماقدرلها، قال: فلبث الرجل ثم اتاه فقال: ان الجارية قد حملت قال: قد اخبر تک انه سياتيها ماقدرلها“.(۱۱)

(اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک انصاری صحابی آئے اور کہا کہ میرے پاس ایک باندی ہے اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ بچہ جنے۔ آپؐ نے فرمایا کہ چاہو تو عزل کر لو، مگر جو مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا۔ چنانچہ صحابی نے ایسا ہی کیا مگر اس کی باندی حمل سے ہو گئی، اس کے بعد پھر وہ آئے اور عرض کیا: میری باندی کو حمل ٹھہر گیا ہے باوجود کہ میں نے اس کے ساتھ عزل کیا۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا)

مباشرت بلا انزال فی الفرج کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ سے استفسار کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''**لاعليكم ان لا تفعلوا فإنما هو القدر.**''(۱۲)

(اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو کیا ہو گا، جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہے وہ ہو کر رہے گا)

ایک موقع پر اللہ کے رسول ﷺ کے پاس اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''**لم يفعل ذلك احدكم.**''(۱۳)

(تم میں سے کوئی شخص یہ عمل نہ کرے)

کتب احادیث میں عزل سے متعلق دو طرح کی روایات ملتی ہیں۔ ایک سے اس کے جواز کی دلیل فراہم ہوتی ہے تو دوسری سے اس کی نفی ہوتی ہے۔ لیکن امام محمد(م۱۸۷/۸۰۲ھ) نے فرمایا کہ ان دونوں روایتوں میں نفی مقدم ہے۔ یعنی **لا علیکم** نہی کے زیادہ قریب ہے۔(۱۴) امام ترمذی (۲۰۰-۲۷۹ھ / ۸۱۵-۸۹۲ء) یہ بھی لکھتے ہیں کہ عزل کو اہل علم کی ایک جماعت نے پسند نہیں کیاہے۔(۱۵) ائمہ اربعہ نے بھی اسے مکروہ کہا ہے۔(۱۶) البتہ فقہائے کرام کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی رضا مندی حاصل ہو تو ایسا کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، اس صورت میں کہ جب عورت کی صحت کی بحالی کا مسئلہ ہو۔ امام ابن تیمیہ (۶۶۱-۷۲۸ھ/۱۲۶۳-۱۳۲۸ء) لکھتے ہیں:

''علماء کی ایک جماعت اسے حرام قرار دیتی ہے لیکن ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ عورت کی اجازت کے بعد یہ جائز ہے۔''(۱۷)

امام ابن تیمیہ سے سوال کیا گیا کہ عورت اپنے فرج میں دوا رکھ سکتی ہے کہ نہیں اور اس کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ منی کو حمل کے راستوں تک نہ پہنچنے دیا جائے۔ اسی کے ساتھ دوسرا سوال یہ بھی کیا گیا کہ مجامعت کے بعد دوا کا کچھ حصہ اندر رہ جائے تو کیا بعد غسل اس کی نماز اور اس کا روزہ جائز ہوگا؟ دونوں سوالوں کا جواب دیتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں:

''نماز اور روزہ تو اس کا صحیح ہے، اگرچہ دوا اس کے جوف ہی میں رہ جائے، لیکن اس وجہ سے دوا استعمال کرنا کہ منی اندر نہ جائے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ ایسا نہ کیا جائے۔''(۱۸)

اس طرح کے بہت سے احکام قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی میں ملتے ہیں جن سے بخوبی اندازہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لگایا جا سکتا کہ جس خالق نے مفلسی کے عالم میں کسی کو وجود بخشا ہے تو وہی اس کو رزق بھی فراہم کرے گا۔ لہٰذا اسے ہی اختیار ہے کہ کب کسی کی جان لی جائے۔ بس انسان کے ذمہ ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور اس میں کوئی تصرف نہ کرے اور صبر سے کام لے۔ عزل بھی سماجی ذمہ داریوں سے کنارہ کشی کا ایک اہم ذریعہ ہے جسے بلاوجہ معقول شریعت اسلامی قبول نہیں کرسکتی۔

کوئی بیماری ایسی نہیں جس کا علاج نہ ہو:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تو ساتھ ہی اس کے دکھ، درد، آلام و مصائب کے علاوہ راحت و سکون اور صحت و تندرستی کو بھی اس کی زندگی کا اہم حصہ بنا دیا۔ جب کبھی انسان بیمار پڑتا ہے تو بعض وقت یہ بیماری بغیر دوا و علاج کے دو چار روز کے بعد خود ہی ختم ہو جاتی ہے اور آدمی چنگا اور ہشاش بشاش ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بعض وقت بیماری میں شدت ہوتی ہے اور تکلیف بھی، تو بغیر دوا اور ڈاکٹروں کی مدد کے اس کی بیماری ختم نہیں ہوتی۔ تھوڑی سی حفاظت اور علاج و پرہیز اسے تندرست و توانا بنا دیتا ہے اور ذرا سی بے توجہی اس کی زندگی کو خطرہ میں ڈال دیتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی جان کی حفاظت اور تندرست رکھنے کے لئے مناسب ادویہ اور تدابیر اختیار کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا اور اس کی وجہ سے اس کی جان کو کوئی خطرہ پہنچتا ہے تو وہ عنداللہ گنہگار ہوگا، کیوں کہ صحت و تندرستی کو برقرار رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بیماری بھی رکھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی بیماری نہیں اتاری ہے جس کا اس نے تریاق یا اس کی دوا نہ پیدا کی ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

"ما أنزل الله داء الا انزل له شفاء."(۱۹)

(کوئی ایسی بیماری نہیں اتاری اللہ نے جس کی شفا نہ پیدا کی ہو)

ایک دوسری حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے بیمار لوگوں کو علاج کرانے اور دوا کی اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"أنزل الدواء الذی أنزل الأدواء."(۲۰)

(دوا بھی اتاری اس ذات نے جس نے بیماریاں اتاری ہیں)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اس کی زندگی کا ایک عنصر صحت و تندرستی اور بیماری کو بھی بنایا اور بیماری کے ساتھ اس نے دوا بھی پیدا کی، تاکہ وہ اس کو استعمال کرکے تندرست ہو جائے۔ بعض وقت مریض اپنی صحت کے لئے جو دوا تجویز کرتا ہے وہ دوا تو ٹھیک ہوتی ہے مگر وہ اپنا اثر نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دکھاتی اور بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے، جس سے انسان کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ جیسا کہ خود اللہ کے رسول ﷺ نے دوا کے بے اثر ہونے کے متعلق فرمایا ہے:

"لکل داء دواء فاذا اصیب د واء الداء برأ باذن اللّٰہ"(۲۱)

(ہر مرض کی دوا ہے، جب دوا لگ جاتی ہے تو اللہ کے حکم سے صحت ہو جاتی ہے)

اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ صحت کی بحالی کے لئے دوا کرانا مباح ہے، بشرطیکہ اعتقاد یہ ہو کہ شفا دینے والا اللہ ہے اور صرف یہ اعتقاد ہو کہ دوا ہی شافی ہے تو جائز نہیں ہے۔(۲۲) لیکن دوا علاج کو صرف مباح تک ہی محدود نہ رکھا جائے، بلکہ بعض صورتوں میں یہ واجب اور ضروری بھی ہے۔(۲۳)

معالج کا جان کار ہونا ضروری ہے:

اسلام نے صحت کی حفاظت کے لئے تجربہ کار اور علم رکھنے والے ڈاکٹروں سے رجوع کرنے کا حکم دیاہے۔ کیوں کہ حاذق طبیب ہی مریض کی صحت کو اچھی دوا کے ذریعہ بر وقت بحال کر سکتا ہے اور وہ یہ رائے دے سکتا ہے کہ کون سی چیز اس کو تندرست رکھنے میں مفید ہو سکتی ہے اور کون سی غیر مفید۔ اس کی نظیر حدیث رسول ﷺ میں بھی ملتی ہے۔چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"عن سعید قال:مرضت مرضا اتانی رسول ﷺ یعودنی، فوضع یدہ بین ثدیی حتٰی وجدت بردھا علٰی فؤادی فقال: انک رجل مفؤد، أتت الحارث بن کلدۃ اخا ثقیف فانہ رجل یتطبب، فلیأخذ سبع تمرات من عجوۃ المدینۃ، فلیجأھن بنواھن ثم لیلدک بھن."(۲۴)

(میں بیمار ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے، میرے سینہ پر دست مبارک رکھا، میں نے اپنے قلب کے اندر اس کی ٹھنڈک محسوس کی۔ آپ نے فرمایا: تمھیں دل کی شکایت ہے، تم قبیلہ ثقیف کے حارث بن کلدہ کے پاس جاؤ، وہ اس مرض کا علاج کرتا ہے۔ اس تکلیف میں آدمی کو مدینہ کے سات اچھی قسم کے چھوہارے گٹھلیوں سمیٹ کٹوا کر پھانکتے رہنا چاہئے)

آپ ﷺ نے نہ صرف جان کار اور تجربہ کار ڈاکٹروں سے دوا و علاج کرانے کا حکم دیا ہے، بلکہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ناواقف اور ناتجربہ کار طبیب سے علاج نہیں کرانا چاہئے، اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے نہ صرف صحت خراب ہوتی ہے، بلکہ جان کے ہلاک ہونے کا پورا پورا اندیشہ رہتا ہے۔ اسی لیے اللہ کے رسولﷺ نے ناواقف ڈاکٹروں کو بھی خبردار کیا ہے کہ بغیر صحیح جان کاری کے کسی کا علاج نہیں کرنا چاہیے:

''**من تطبب ولایعلم منه طب فهو ضامن**.''(۲۵)

(اور طب کو اچھی طرح نہ جاننے کے باوجود جس نے علاج کیا اور اس سلسلہ میں وہ متعارف نہیں تھا تو وہ کسی بھی نقصان کا ضامن ہو گا۔)

ایک دوسری حدیث میں آپﷺ نے فرمایا کہ:

''**ایما طبیب تطبب علی قوم لایعرف له تطبب قبل ذلک فأعنت فهو ضامن**.''(۲۶)

(جس شخص کا پہلے سے طبیب ہونا معلوم نہیں تھا، اس نے لوگوں کا بہ تکلف علاج کیا اور نقصان پہنچایا تو وہ ضامن ہوگا)

معالج کا طبی اخلاقیات سے متصف ہونا بھی ضروری ہے:

یہاں اس حقیقت کا اعتراف بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قدیم عربی کتابیں جنہیں اسلامی علوم میں بڑا مقام و مرتبہ حاصل ہے اور جو سند کا درجہ رکھتی ہیں، ان میں بیشتر کتابیں طبی اخلاقیات سے خالی نظرآتی ہیں۔ خود ابن سینا کی کتاب ''القانون فی الطب'' جو علاج و معالجہ کے اصول وتفصیلات پر مشتمل ہے، اس میں بھی طبی اخلاقیات کا عنصر زیادہ نہیں پایا جاتا۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہوسکتی ہے کہ چوں کہ ان اطباء کے پیش نظر کتاب و سنت سے زیادہ رہنما اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا اور جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا کہ اللہ کے رسولﷺ نے کتنی مفید اور طبی اخلاقیات پر مشتمل باتیں بیان کر دی ہیں ،جن کے بعد اس کی حاجت نہیں رہتی کہ اس بحث پر زیادہ گفتگو کی جائے اور اسے دراز کیا جائے۔لیکن جب بعد کے عہد میں اس کی ضرورت محسوس کی گئی تو علمائے اسلام نے بہت کچھ لکھا قرآن وحدیث کو رہنما بنا کر۔ جسے اب بہت زیادہ عمل اور عام کرنے کی ضرورت ہے ۔کیوں کہ اب یہ بھی دیکھا جا رہا ہے کہ بڑے بڑے ڈاکٹر طبی اخلاقیات سے عاری و خالی نظر آتے ہیں اور وہ جلد بازی میں غلط فیصلہ کرنے سے نہیں چوکتے۔ جو کسی وقت مریض کی بیماری میں افاقہ ہونے کے بجائے مزید درد سر بن جاتا ہے۔ انہیں کن صفات سے متصف ہونے کی ضرورت ہے اسے مندرجہ ذیل اقتباس سے بہ خوبی سمجھا جا سکتا ہے:

''طبیب کو نرم مزاج، زیرک اور دقیقہ رس ہونا چاہیے۔ دقیقہ رسی صحیح نظریات قائم کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ذہن کی تیزی کا نام ہے۔ یعنی اس میں ذہن بڑی تیزی سے لاعلمی سے علم و ادراک کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ کوئی بھی طبیب نرم مزاج نہیں ہو سکتا اگر وہ انسانی روح کی شرافت کو پہچاننے میں ناکام رہتا ہے اور نہ ہی وہ زیرک ہو سکتا ہے اگر وہ منطق سے اچھی طرح واقف نہیں ہے اور نہ ہی وہ دقیقہ رس ہو سکتا جب تک اسے اللہ کی مدد نہ ملے اور اگر وہ قیاس میں تیز اور شدید نہیں ہے تو وہ کسی بھی مرض کو صحیح طرح نہیں سمجھ سکتا۔''(۲۷)

چند مستثنیات کے علاوہ ہر بیماری کا علاج بندہ کے اختیار میں ہے:

بعض بیماریاں ایسی ہیں جن کا کوئی علاج نہیں۔ اس میں ایک موت ہے اور دوسرا بڑھاپا۔ موت کسی کی واقع ہونے والی ہے تو کتنی ہی احتیاطی تدابیر اختیار کیوں نہ کرلی جائیں اسے کوئی روک نہیں سکتا اور وہ وقت معینہ پر آ کر رہے گی۔ اسی طرح بڑھاپے کو بھی کوئی دوا ٹال نہیں سکتی، کیوں کہ بڑھاپا طاری ہی اسی لئے ہوتا ہے کہ اب اس کا کام اس دنیا سے ختم ہو گیا ہے، اس لئے اسے بڑھاپے کی منزل میں پہنچا دیا گیا، جس میں وہ کچھ دن مبتلا رہ کر اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''**تداووا عباد اللّٰہ فان اللّٰہ عزوجل لم ینزل داء الا انزل معه شفاء الاالموت والھرم.**''(۲۸)

(اللہ کے بندو! علاج کراؤ اس لئے کہ اللہ عزوجل نے موت اور بڑھاپے کے سوا جو بھی بیماری اتاری ہے اس کے لئے شفاء بھی رکھی ہے)

ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ہر بیماری کا علاج اللہ نے پیدا کیا ہے مگر بڑھاپے کا کوئی علاج نہیں:

''**تداووا فان اللّٰہ لم یضع داء الا وضع له شفاء أو قال دواء، الا داء واحدا، فقالوا یا رسول اللّٰہ ﷺ وما ھو؟ قال الھرم**''.(۲۹)

کیا انسانوں نے بعض بیماریوں کے علاج میں کامیابی حاصل نہیں کی ہے؟

باوجود اس کے بعض بیماریاں ایسی بھی ہیں جن کا کلی علاج اطباء ڈھونڈھنے میں اب تک ناکام نظر آتے ہیں۔ یہ انسانوں کی کم علمی ہے نہ کہ خالق کائنات کا نقص۔ اسی لیے تو قرآن میں متعدد مقامات پر اہل ایمان کو مخاطب کیا گیا ہے کہ تم کائنات کی تخلیق پر غور کیوں نہیں کرتے، تم اشیاء کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رموز و حقائق کے جاننے کی کوشش کیوں نہیں کرتے، تمہیں اتنا شعور کیوں نہیں کہ تم نامعلوم چیزوں کا علم حاصل کر لو۔

دنیا نے دیکھا ہے کہ انسان جن نامعلوم چیزوں کے جاننے کی کوشش برابر کرتے رہے ہیں انہیں اس میں کامیابی مل گئی ہے۔ کینسر جو کسی زمانے میں لاعلاج بیماری تصور کیا جاتا تھا آج اطباء نے اس کا کلی علاج تو نہیں، البتہ اس کے انسداد کا حل کافی حد تک تلاش کر لیا ہے۔ سینکڑوں مریض دوا کے سہارے آج زندہ ہیں اگرچہ ان کی جان کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ یہ کیا کم ہے کہ ان کا عرصہ حیات تنگ نہیں ہوا ہے۔ اگر بیماری پہلے اور دوسرے مرحلے میں تھی اور بر وقت اس کا علاج شروع کر دیا گیا تو یہ بیماری بھی ختم ہو جاتی ہے۔ مذکورہ حدیث سے انسان کی اس تفتیشی کاوش اور تحقیقی رجحان کی وضاحت ہوتی ہے کہ انسان اگر کوشش کرے تو بہت کچھ حاصل اور معلوم کر سکتا ہے۔

خود اللہ کے رسول ﷺ کو اس بات کا اندازہ تھا کہ بعض بیماریوں کا علاج ابھی انسان کی دسترس سے باہر ہے، لہٰذا آپ نے لوگوں کو اس میں کامیابی حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"ان اللّٰه لم ینزل داء الا انزل له شفاء علمه من علمه وجهله من جهله."(۳۰)

(اللہ نے کوئی بیماری نہیں اتاری مگر یہ کہ اس کی شفاء بھی اتاری ہے، جاننے والا اسے جانتا ہے، نہیں جاننے والا نہیں جانتا)

حالات اور وقت کے ساتھ آدمی کی ضرورتیں بدلتی رہتی ہیں۔ پہلے طب میں وہ سہولتیں نہیں تھیں جو آج کے زمانے میں ہیں اور آئندہ بھی مزید سہولتیں فراہم ہوں گی۔ (ان شاء اللہ) جو مریض اور طبیب کے لئے تقویت کا باعث ہوں گی۔ جیسا کہ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ:

"وفی قوله ﷺ لکل داء دواء، تقوية لنفس المريض والطبيب، وحث علی طلب ذلک الدواء والتفتيش عليه، فان المريض اذا استشعرت نفسه ان لدائه دواء يزيله: تعلق قلبه بروح الدجاء، وبرد من حرارة الياس، وانفتح له باب الرجاء، ومتی قويت نفسه: انبعثت حرارته الغريزية، وکان ذلک سببا لقوة الارواح الحيوانية والنفسانية والطبيعية: ومتی قويت هذه الارواح: قويت القوی التی هی حاملة لها فقهرت المرض ودفعته. وکذالک الطبيب: اذا علم ان لهذا الداء دواء، امکنه طلبه والتفتيش عليه".(۳۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(رسول اللہﷺ کا ارشاد ہے کہ کل داء دواء مریض اور طبیب دونوں کے لئے تقویت کا باعث ہے، اس میں علاج کے تلاش کی ترغیب بھی ہے، اگر مریض کو یہ محسوس ہو کہ اس کا مرض لاعلاج نہیں ہے، بلکہ اس کا علاج ممکن ہے، تو اس کا دل امید سے بھر جائے گا اور مایوسی ختم ہو جائے گی۔ اس سے وہ اپنے اندر نفسیاتی طور پر مرض پر غالب آنے والی توانائی محسوس کرے گا، اسی طرح طبیب کو جب معلوم ہوگا کہ ہر بیماری کی اللہ نے دوا رکھی ہے تو تلاش وجستجو اس کے لئے ممکن ہو گی)

عیادت سے مریض کی صحت کو تقویت ملتی ہے:

یہیں سے عیادت کی شرعی حیثیت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مصیبت اور بیماری میں مبتلا ہو تو دوسرے بھائی کو چاہئے کہ وہ اس کی عیادت کے لئے پہنچے اور مریض کو تسلی بخش باتیں سنا کر لوٹے۔ اس سے مریض کی صحت پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اس کے اندر سے مایوسی ختم ہوتی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ میری دیکھ بھال کرنے والے بہت سارے لوگ ہیں۔ کبھی کبھی یہ خیر خواہی مریض کے حق میں اتنی مفید ہوتی ہے کہ دوا بھی اس کا بدل نہیں ہوتی اور بیمار باتوں باتوں میں اچھا ہو جاتا ہے اور بستر مرض سے اٹھ کر چلنے پھرنے لگتا ہے۔ ایسا کرنے سے نہ صرف مریض کے حق میں فائدہ ہوتا ہے، بلکہ عیات کے لیے جانے والے شخص کو بھی اللہ تعالیٰ ڈھیر ساری نیکیوں سے نوازتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"مامن مسلم یعود مسلما غدوۃ الاصلی علیہ سبعون ألف ملک حتی یمسی، ان عادہ عشیۃ الا صلی علیہ سبعون ألف ملک حتی یصبح و کان لہ خریف فی الجنۃ". (۳۲)

(جو مسلمان بھی کسی مسلمان کی صبح کے وقت عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس پر رحمت کی دعا بھیجتے ہیں۔ اگر وہ شام کے وقت اس کی عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے صبح تک اس پر رحمت کی دعا بھیجتے ہیں اور جنت میں اس کے لئے پھل ہوں گے)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

"ان المسلم اذا عاد أخاہ المسلم، لم یزل فی خرفۃ الجنۃ حتی یرجع". (۳۳)

(بے شک مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو اس کے وہاں سے واپس ہونے تک وہ جنت کے پھلوں میں رہتا ہے۔)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عیادت نہ صرف یہ کہ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کی کی جائے، بلکہ اس کے مستحق سارے لوگ ہیں۔ بچہ، بوڑھا، جوان، عورت، مرد، پڑوسی، یہاں تک کہ غیرمسلموں کی بھی کی جانی چاہئے۔ اللہ کے رسولﷺ کا اس پر کثرت سے عمل رہا ہے۔ یہی وجہ کہ آپﷺ نے مسلمانوں کو تاکید کے ساتھ فرمایا:

"اطعموا الجائع، وعودوا المریض، وفکوا العانی".(۳۴)
(بھوکے کو کھانا کھلاؤ، مریض کی عیادت کرو اور قیدی کو چھڑاؤ)

بیماری سے گناہ کم ہوتے ہیں:

تندرستی کے برقرار رہنے کے لئے ضروری ہے کہ انسانوں کا واسطہ چھوٹی موٹی بیماری سے پڑتا رہے، تاکہ اس کے جسم سے غیرضروری اجزا اور فضلات کا اخراج ہوتا رہے۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ گناہ کم ہوتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ جس بندے سے خفا ہوتا ہے تو اسے بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ بندہ نے جو گناہ کیا ہے اس کی مدافعت ہو جائے۔ چنانچہ اللہ کے رسولﷺ نے فرمایا:

"ما من مصیبة تصیب المسلم الا کفر اللّٰہ بھا عنه حتی الشوکة یشاکھا".(۳۵)
(مسلمانوں کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے یہاں تک کہ اسے کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے)

اگر کسی مؤمن کو یہ اندازہ ہو جائے کہ بیماری اور مصیبت کے ذریعہ اسے کتنا بڑا فائدہ پہنچنے والا ہے تو وہ یہی چاہے گا کہ ہمیشہ بیماری میں مبتلا رہے۔ جیسا کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:

"یود اھل العافیة یوم القیامة حین یعطی اھل البلاء الثواب لو ان جلودھم کانت قرضت فی الدنیا بالمقاریض".(۳۶)

(جو لوگ عافیت میں ہیں، قیامت کے دن جب کہ مصیبت زدوں کو ثواب دیا جائے گا، یہ چاہیں گے کاش! دنیا میں قینچیوں سے ان کی کھالوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جاتے۔)

ایک دوسری حدیث میں بیماری کو مسلمانوں کے لئے نعمت اور گناہوں کا کفارہ قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"مامن مسلم يصيبه أذى، شوكة فما فوقها، إلا كفر اللّٰه بها سيئا ته ،كما تحط الشجرة ورقها". (۳۷)

(جس مسلمان کو کانٹا چبھنے کی یا اس سے بڑی کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کی غلطیوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جیسے درخت اپنے پتوں کو گرا دیتا ہے)

علامہ ابن قیم(۶۹۱-۷۲۸ھ/۱۲۹۱-۱۳۵۰ء) نے بیماری کو مومنین کے لئے گناہوں کا کفارہ قرار دینے کے بعد شیخ عبد القادر جیلانیؒ (۴۷۰-۵۶۱ھ/ ۱۰۷۷-۱۱۶۶ء) کی اس نصیحت کو نقل کیا ہے، جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھی کہ مصیبت اور پریشانیوں میں مبتلا ہونے کے بعد رنجیدہ خاطر نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اسے خدا کا عطیہ اور نعمت تصور کرنا چاہئے۔ وہ لکھتے ہیں:

"شیخ عبد القادر نے فرمایا: اے میرے بیٹے! مصیبت تجھے ہلاک کرنے کے لئے نہیں آتی، بلکہ تیرے صبر و ایمان کا امتحان لینے آتی ہے۔ نیز اس کا علاج یہ بھی ہے کہ تو سوچے کہ اگر دنیا میں مصائب ومحن نہ ہوتے تو بندے عجب و فرعونیت، شقاوت قلبی جیسے امراض میں مبتلا ہوجاتے ، جن سے آدمی دنیا میں اور آخرت میں ہر جگہ تباہ و برباد ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے یہ تو ارحم الراحمین کا کمال رحمت ہے کہ بعض اوقات وہ مصائب کی دوا استعمال کرا دیتا ہے جن کے باعث امراض سے تحفظ رہتا ہے اور صحت عبدیت قائم رہتی ہے۔ نیز کفر و عدوان و شرک وغیرہ کے فاسد مادوں کا استفراغ جاری رہتا ۔ بس پاک ہے وہ ذات جو ابتلاء کے ذریعہ رحم فرماتی ہے اور انعامات کے ذریعہ ابتلاء میں ڈال دیتی ہے، جیسا کہ مشہور شعر ہے:

قد ینعم الله بالبلوی و ان عظمت
ویبتلی الله بعض القوم بالنعم

(یعنی گاہے گاہے اللہ تعالیٰ مصائب کے ذریعہ انعام فرماتا ہے، اگرچہ وہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں، اللہ تعالیٰ بعض اقوام پر انعام کرکے انہیں ابتلاء میں ڈال دیتا ہے)۔"(۳۸)

بیماری میں صبر کی اہمیت:

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے جس بندے سے زیادہ محبت کرتا ہے اسے اتنی ہی بڑی ابتلاء و آزمائش میں بھی مبتلا کرتا ہے، تاکہ اندازہ لگائے کہ میرے بندے کا رویہ مصیبت کے وقت کیسا رہتا ہے۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اذا اراد اللّٰہ عزوجل بعبد خیرا عجل له عقوبة ذنبه."(۳۹)
(اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے مصیبت میں ڈال دیتا ہے)

اس طرح کی اور دوسری احادیث ہیں جن سے اسی مفہوم کی وضاحت ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں مومن بندے کا رویہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ ہر حال میں صبر کرے اور اسے اپنی تکالیف کا مداوا تصور کرے۔ اگر وہ نا شکری اور جزع و فزع کرتا ہے تو وہ اپنی تکلیف میں اضافہ ہی کرتا ہے، کیوں کہ صبر سے تکالیف برداشت کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور اس سے قوت ارادی مضبوط ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ. وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ. وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ. اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ." (البقرہ: ۱۵۳–۱۵۷)

(اے ایمان والو! مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ذریعہ، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، جو لوگ اللہ کے راستے میں مارے جائیں انہیں مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں، لیکن تم محسوس نہیں کرتے۔ ہم ضرور تمھیں کسی قدر خوف اور بھوک کے ذریعہ اور مالوں، جانوروں اور پھلوں میں کمی کرکے آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنا دو جن پر اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف جانا ہے۔ ایسے ہی لوگوں پر ان کے رب کی عنایات ہیں اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں)

بعض صحابہ کرام بیماری میں مبتلا ہوتے تو وہ دوا و علاج ترک کر دیتے اور صبر و شکر کو ہی اس کا مداوا سمجھتے تھے، جس کی اللہ کے رسولؐ نے ممانعت کی اور فرمایا کہ صحت کو تندرست رکھنے کے لئے دوا بھی ضروری ہے اور صبر بھی۔حدیث رسول ﷺ میں اس کی صراحت موجود ہے:

"قال لی ابن عباس: الا اریک إمراة من أهل الجنة؟ قلت: بلی، قال: هذه المرأة السوداء، اتت النبی ﷺ فقالت: إنی أصرع، وإنی أتكشف، فادع الله لی. قال: إن شئت صبرت ولک الجنة، و إن شئت دعوت الله أن یعافیک، فقالت: أصبر، فقالت: إنی أتكشف، فادع اللّٰہ أن لا أتكشف، فدعا لها".(۴۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ایک عورت مرگی کی بیماری میں مبتلا تھی جب اس پر دورہ پڑتا تو اسے کپڑوں کی خبر نہ رہتی اور وہ بے ستر ہو جاتی تھی۔ اس نے رسول اللہﷺ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم چاہو تو دعا کروں اور چاہو تو صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ اس کے عوض جنت عطا فرمائے گا۔ اس پر اس نے کہا تب تو میں صبر کروں گی۔ البتہ آپ دعا فرمایئے کہ دورہ کی حالت میں میری بے ستری نہ ہو۔ آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی)

اس عالم پریشانی میں جو بندہ صبر کرتا ہے اللہ کے نزدیک اس کا مقام بہت بلند ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

”وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِیْنَ الْبَاس. اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ.“ (البقرہ:۱۷۷)

(وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں تنگی، ترشی اور تکلیف میں اور جنگ کے وقت، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی تقویٰ والے ہیں۔)

صبر و شکر کو مومن کا خاص وصف قرار دیتے ہوئے رسول اللہﷺ نے فرمایا:

”قال رسول اللهﷺ: عجباً لأمرالمؤمن، ان أمره كله له خير، وليس ذلک لأحد إلا للمؤمن، إن أصابته سراء شكر، فكان خيرا له، و إن أصابته ضراء صبر، فكان خيرا له“(۱۴)

(مومن کا معاملہ کتنا اچھا ہے کہ وہ جس حال میں بھی ہوتا ہے وہ اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے، یہ بات مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتی، اگر وہ مسرت سے ہم کنار ہو تو شکر کرتا ہے، یہ اس کے لئے بہتر ہوتا ہے، اگر تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے، یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں، نبیوں اور نیک بندوں کو سخت سے سخت بیماری اور آزمائش و مشکلات میں مبتلا کر کے ان کے صبر کا امتحان لیا ہے، مگر وہ ہر حال میں صبر کرتے رہے، جس کے صلہ میں اللہ نے ان کے مرتبہ کو بلند فرمایا۔ صبر ایوب سے کون واقف نہیں ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام مہلک ترین بیماری میں ایک لمبے عرصہ تک مبتلا رہے، پھر بھی انہوں نے صبر کے علاوہ لفظ شکوہ اپنی زبان پر کبھی آنے نہیں دیا۔ اس بیماری میں ان کے تمام قریبی لوگ ساتھ چھوڑ گئے مگر ان کی بیوی ۱۸ سال تک خدمت کرتی رہیں۔ ان کی تکلیف کی شدت کی وجہ سے بعض وقت ان کی بیوی بھی کرب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و الم میں مبتلا ہو جاتی تھیں۔ ایک دن بہ جذبہ ہمدردی ان کی بیوی نے کچھ ایسے الفاظ کہے جو صبر ایوب کے منافی تھے اور خدا کی جناب میں شکوہ کا پہلو لیے ہوئے تھے۔ اس پر وہ اپنی مونس وغم خوار بیوی سے ناراض ہوگئے اور کہا کہ تم نے کفران نعمت کی ہے، اس کی سزا میں تم کو ضرور دوں گا۔(۴۲) اس صبر کے صلہ میں اللہ نے ان کے درجات بلند کیے جس کا ذکر قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے:

''وَاَیُّوْبَ اِذْنَادٰی رَبَّہٗ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ. فَاسْتَجَبْنَالَہٗ فَکَشَفْنَا مَابِہٖ مِنْ ضُرٍّ وَ آتَیْنٰہُ اَھْلَہٗ وَمِثْلَھُمْ مَعَھُمْ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِکْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ'' (الانبیاء: ۸۳-۸۴)

(اور یاد کرو جب ایوب نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے۔ ہم نے اس کی پکار سنی اور اسے جو تکلیف تھی وہ دور کر دی۔ ہم نے اسے اس کے اہل و عیال دیے اور اس کے ساتھ اتنے ہی اور بھی دیے۔ یہ رحمت ہے ہماری طرف سے اور عبادت کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے)

صبر کے ذریعہ نہ صرف دنیوی و اخروی درجات بلند ہوتے ہیں بلکہ اس سے مریض کی صحت پر بھی مثبت اثرات پڑتے ہیں۔ کیوں کہ جو آدمی بیماری کی حالت میں صبر کرے گا اسے اپنی تکلیف کا بوجھ ہلکا معلوم ہو گا اور اس کی امیدیں اور نیک خواہشات بر آئیں گی۔ چنانچہ دوران بیماری صبر کی افادیت اور اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا جلال الدین عمری لکھتے ہیں:

''مرض چھوٹا ہو یا بڑا، قابل علاج ہو یا لاعلاج، ہر حال میں اسلام نے صبر کی تعلیم دی ہے۔ جو لوگ مذہبی اقدار کی اہمیت نہیں محسوس کرتے ان کے نزدیک یہ ایک بے معنی نصیحت ہے۔ اس سے انسان کے مسائل حل نہیں ہوتے اور وہ ممکنہ تدابیر بھی اختیار نہیں کرتا، لیکن یہ صبر کا غلط تصور ہے۔ صبر اس بات کا نام ہے کہ آدمی مشکلات میں جزع فزع اور گھبراہٹ کا مظاہرہ نہ کرے، شکوہ شکایت کی جگہ جم کر ان کا مقابلہ کرے، جو تدبیریں اس کے بس میں ہوں ان کو پورے سکون کے ساتھ اختیار کرے اور نتیجہ اللہ کے حوالے کر دے۔ اس سے انسان کی قوت ارادی (Will Power) مضبوط ہوتی ہے اور آدمی کے اندر خود اعتمادی اور خدا اعتمادی پیدا ہوتی ہے، مریض کے اندر مضبوط قوت ارادی ہو تو وہ مرض کا بڑی ہمت اور پا مردی سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ یہ ایک واقعہ ہے کہ جن مریضوں کی قوت ارادی مستحکم ہوتی ہے وہ مایوس اور بے صبر مریضوں کے مقابلہ میں لمبی زندگی پاتے ہیں۔''(۴۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موت کی دعا نہیں کرنی چاہیئے:

ہر انسان کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہے۔ بعض بیماری قابل علاج ہوتی ہے تو کوئی لاعلاج اور زندگی بھر وہ کرب و الم کی دنیا میں زندہ رہتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ چاہتا ہے کہ اس لاعلاج بیماری اور تکلیف بھری دنیا سے کسی طرح نجات پالے، جس کے لئے وہ بعض وقت دعا کرتا ہے کہ اللہ تو مجھ کو اس تکلیف دہ زندگی سے نکال کر موت دے دے، جو درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بیماری اسی لئے طاری کرتا ہے کہ اس کے اندر قوت برداشت کا داعیہ پیدا ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ایسی دعا کرنے سے منع فرمایا ہے:

"**لا یتمنین احدکم الموت من ضر أصابه، فإن کان لابد فاعلا فلیقل: اللهم احینیی ماکانت الحیاة خیرا لی وتوفنی إذا کانت الوفاة خیرا لی.**"(۴۴)

(تم میں سے کوئی شخص کسی تکلیف کو پہنچے تو موت کی تمنا نہ کرے، اگر کسی وجہ سے بالکل ضروری ہو جائے تو اس طرح کہے اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ زندہ رہنا میرے حق میں بہتر ہو اور جب موت میرے حق میں بہتر ہے تو موت دے دے)

مصائب و مشکلات اور بیماری وقتی چیز ہے۔ یہ کبھی جلد رفع ہو جاتی ہے اور کبھی وقت لگتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آدمی اس کا مقابلہ نہ کرے۔ اللہ نے انسان کو دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے اور اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، تو پھر کیوں نہ اس کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو یہ بزدلی ہے اور مومن کی شان کے خلاف ہے اور کفران نعمت ہے۔ اندازہ لگایئے کہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں بعض بیماری کا بہتر علاج گرم لوہے سے داغنے کا تھا۔ جس کی تکلیف سے آدمی کی ہڈی چرمرا جاتی تھی، باوجود اس تکلیف کے وہ زندہ رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو بطور علاج گرم لوہے سے سات داغ لگائے گئے، اس سے انہیں سخت تکلیف ہوئی، پھر بھی انہوں نے فرمایا:

"**ولولا ان النبی ﷺ نهانا أن ندعو بالموت لدعوت به.**"(۴۵)

(رسول اللہ ﷺ نے موت کی دعا کرنے سے منع کیا ہے ورنہ تکلیف اتنی سخت ہے کہ میں اللہ سے موت کی دعا کرتا)

یہ تو صحابہ کا عمل تھا، خود اللہ کے رسول ﷺ کو لوہے سے داغنے کی تکلیف کا اندازہ تھا۔ باوجود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے آپ نے حفظان صحت کے تحت اس کی اجازت دی کہ تم اس طریقہ پر عمل کرکے اپنا علاج کراؤ۔ جیسا کہ اللہ کے رسولﷺ نے فرمایا:

”الشفاء فی الثلاثة: شربة عسل، وشرطة محجم، وكية نار،وأنهى أمتى عن الكي.“(۴۶)

(شفا تین چیزوں میں ہے، شہد کا گھونٹ، پچھنے کا نشان اور آگ سے داغ لگانے میں۔ میں اپنی امت کو داغ لگانے سے منع کرتا ہوں)

کون انسان کب تک زندہ رہے گا اور کب اس کی موت ہوگی، یہ اللہ ہی جانتا ہے اور زندگی اور موت دینے کا حق بھی اسی اللہ کو ہے۔ انسان کے بس میں اگر یہ چیز ہوتی تو دنیا کا نظام درہم برہم ہوکر رہ جاتا۔ انسان کا دنیا میں زندہ رہنا بھی تقویت اور ترقی درجات کا باعث ہے۔ اسی لئے اللہ کے رسولﷺ نے منع فرمایا کہ موت کی تمنا نہیں کرنی چاہئے:

”ولا يتمنين أحدكم الموت، إما محسنا فلعله أن يزداد خيرا، وأما مسيئا فلعله أن يستعتب“.(۴۷)

(کسی بھی آدمی کو موت کی تمنا نہیں کرنی چاہئے، اس لئے کہ اگر وہ نیک ہے تو امید ہے کہ اس سے اس کی نیکی میں اضافہ ہوگا اور اگر برا ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے تائب ہو جائے)

احکام شریعت میں مریض کی رعایت:

بیماری کی وجہ سے مریض کو لاحق ہونے والے خطرات اور اندیشے کا اسلام کو پوری طرح اندازہ ہے۔ اسلام نے شریعت کے احکام کے نفاذ میں اس کی پوری رعایت رکھی ہے اور اس دوران اس کی استطاعت سے زیادہ حقوق و فرائض کی ادائیگی میں کلی آزادی دی ہے۔ اگر اسلام اس کی رعایت نہ کرتا تو یہ دین اسلام کا بڑا نقص ہوتا اور بندے پر بارگراں۔ عبادت کے معاملہ کو لیجئے تو معلوم ہوگا کہ نماز جو دین کا اہم ستون ہے، بیماری کی حالت میں وہ اس کی ادائیگی کا متحمل نہیں ہے، تو اس کی ادائیگی میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔ اگر مریض کے حواس مختل ہوگئے ہوں، تو جتنی دیر تک اس حالت میں اس کا وقت گزرے گا، اس وقت تک کی ساری نمازیں اس کے لئے معاف ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح مریض پر غشی اور بے ہوشی طاری نہیں ہے، مگر حرکت کرنے سے اس کے مرض میں اضافہ کا خطرہ ہے، تو ایسے وقت اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیٹھ کر یا اشارے سے نماز پڑھے۔ حدیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول اللہ ﷺ میں اس کی صراحت موجود ہے:

”**صل قائما، فان لم تستطع فقاعدا، فإن لم تستطع فعلی جنب.**“(۴۸)

(اگر طاقت ہو تو نماز کھڑے ہو کر ادا کی جائے اور اگر نہیں تو بیٹھ کر پڑھنی چاہئے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اشارے سے نماز ادا کی جائے)

جسم کو پاک رکھنے کے لئے غسل ضروری ہے۔ لیکن بیماری کی حالت میں پانی کا استعمال اس کے لئے خطرہ کا سبب بن سکتا ہے تو وہ پاکی حاصل کرنے کے لئے تیمّم کرے۔ اسی طرح سردی کے زمانہ میں پانی کے استعمال سے مرض کے بڑھنے یا جسم وجان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ایسے وقت میں نماز ادا کرنے کے لئے پانی سے وضو کرنے کے بجائے تیمّم کی اجازت ہے۔(۴۹) حالت سفر میں نہ صرف نماز فرض کے قصر کی اجازت ہے، بلکہ وہ روزہ بھی نہ رکھے تو کوئی حرج نہیں، کیوں کہ یہ شارع کی طرف سے رخصت ہے۔ البتہ بعد میں اس کی قضا ضروری ہے۔ رمضان کے مہینہ میں کوئی مریض روزہ رکھنے کی حالت میں نہیں ہے تو وہ اس کی قضا کر سکتا ہے۔ قرآن کریم میں اس سہولت پر اس انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے:

”**وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ، يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلاَ يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ.**“ (البقرہ:۱۸۵)

(تم میں سے جو شخص مریض ہو یا سفر کی حالت میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزہ کی تعداد پوری کرے، اللہ تمہارے ساتھ نرمی چاہتا ہے سختی نہیں)

حفظان صحت کے لئے محرمات سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے:

اللہ نے بیماری بھی اتاری تو اس کا علاج بھی پیدا کر دیا اور تاکید فرمائی کہ حلال چیزوں کے ذریعہ علاج کرایا جائے۔ مگر کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ مریض کا علاج حلال اشیاء کے ذریعہ نہیں ہو پاتا۔ البتہ محرمات کے ذریعہ اس کا علاج آسانی سے ہو جاتا ہے۔ یہی حال حفاظت جان کے لیے ہے۔ حلال چیزیں میسر نہ ہوں اور حال یہ ہو گیا ہو کہ اگر اسے کھانے پینے کی اشیا نہ ملیں تو اس کی جان تلف ہو جائے گی اور اس وقت اس کے سامنے سوائے حرام اشیاء کے کچھ بھی نہیں ہے تو ایسی بے بسی کے عالم میں اسلام اجازت دیتا ہے کہ وہ حرام چیزوں کا استعمال کر کے اپنی جان بچا لے اگر وہ ایسا نہیں کرتا اور اس کی جان ختم ہو جاتی ہے تو اسے خودکشی پر محمول کیا جائے گا اور اس پر خودکشی کے احکام نافذ ہوں گے۔(۵۰) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْم." (المائدہ:۳)

(جو شخص بھوک سے مجبور ہوکر حرام چیزوں کا استعمال کرے اور اس کا رجحان گناہ کی طرف نہ ہوتو اس میں کوئی حرج نہیں، بے شک اللہ معاف کرنے والا ہے)

ایک دوسرے مقام پر حفظان صحت کے لئے مردار اشیاء اور سور کے گوشت کے استعمال کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ قرآن میں ہے:

"اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّم وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلاَ عَادٍ فَلا اِثْمَ عَلَيْه، اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْم" (البقرہ:۱۷۳)

(اللہ نے تمہارے لئے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس جانور کو اللہ کے نام کے علاوہ دوسرے کے نام پر ذبح کیا گیا ہو ان کو حرام قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود جو شخص اضطرار کی حالت میں ہو وہ ان میں سے کسی چیز کا استعمال کر سکتا ہے اور اس کا ارادہ نافرمانی اور زیادتی کا نہ ہوتو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے)

بعض مواقع پر ناپاک اشیاء سے علاج کرانے کا حکم بھی ملتا ہے، جیسا کہ حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے:

"عن انس قال :قدم علی النبیﷺ نفر من عکل فاسلموا،فاجتووا المدینة،فامرهم ان یاتوا ابل الصدقة فیشربوا من ابوالها والبانها،ففعلوا فصحوا."(۵۱)

(عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ آئے اور رسولﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور وہ مسلمان ہوگئے۔ کچھ دنوں تک یہ لوگ مدینہ ہی میں مقیم رہے، مگر اس درمیان یہاں کی آب و ہوا ان کے لئے سازگار ثابت نہ ہوئی اور وہ بیمار پڑگئے، تو اللہ کے رسولﷺ نے ان لوگوں کو مدینہ سے باہر اونٹ کی ایک چراگاہ میں جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم اونٹ کا دودھ اور پیشاب استعمال کرو، اس طرح تم صحت یاب ہو جاؤ گے۔ جب ان لوگوں نے ان دونوں چیزوں کا استعمال کیا تو وہ صحت یاب اور تندرست ہو گئے)

اصول فقہ کا قاعدہ کہ"ضرورت ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہے۔"(۵۲) اس کی روشنی میں علمائے اسلام نے یہ مسئلہ استخراج کیا ہے کہ جو شخص مردار خون اور سور کا گوشت کھانے پر مجبور ہونے کے باوجود اسے نہ کھائے اور وہ ہلاک ہو جائے تو وہ جہنم میں جائے گا الا یہ کہ اللہ اسے معاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دے:

”وقد قال علماء من اضطر ا لی اکل المیتة و الدم ولحم الخنزیر فلم یاکل دخل النار الا ان یعفوا اللہ عنہ“.(۵۳)

علامہ ابوبکر جصاص (۳۰۵-۳۷۰ھ/۹۱۷-۹۸۰ء) نے تو یہاں تک لکھا ہے:

”اکل المیتة فرض علی المضطر والاضطرار یزیل الحرز ومتیٰ امتنع المضطر من اکلھا حتی مات صار قاتلا لنفسہ بمنزلة من ترک اکل الخبز وشرب الماء فی حال الامکان حتی مات کان عاصیا للّٰہ جانیا علی نفسہ“.(۵۴)

(مضطر کے لئے مردار کا کھانا فرض ہو جاتا ہے اور اضطرار ممانعت کو ختم کر دیتا ہے۔ اس لئے مضطر اگر اسے نہ کھائے اور اس کی موت واقع ہو جائے تو وہ خود اپنا قاتل ہو گا، اس شخص کی طرح جس کے مکان میں روٹی اور پانی ہو اور وہ کھانا پینا چھوڑ دے اور مر جائے تو اللہ تعالیٰ کا نافرمان اور خودکشی کرنے والا ہو گا)

اسی طرح فقہائے کرام نے علاج کے مسئلہ میں یہ رعایت برتی ہے کہ اگر حلال چیزوں کے ذریعہ علاج ممکن نہ ہو اور تحقیق سے یہ بات عیاں ہو چکی ہو کہ مریض کا علاج حرام اشیاء کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے تو ایسی صورت میں حرام چیزوں کا استعمال جائز ہو گا۔(۵۵) نیز کسی مضطر کے سامنے مردار اور دوسرے شخص کا کھانا دونوں موجود ہوں، مگر دوسرے شخص کے کھانے کے سلسلے میں اسے شک کا گمان ہو تو ایسی صورت میں بعض فقہاء مردار کھانے کی اجازت دیتے ہیں، بسا اوقات دوسرے کا کھانا نتائج کے لحاظ سے زیادہ ضرر رساں ثابت ہوتا ہے۔(۵۶)

جن لوگوں نے حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت کہ ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حرام چیز میں تمہارے لئے شفا نہیں رکھی ہے۔“(۵۷) کو دلیل بنا کر حرام چیزوں سے علاج کرنے کی ممانعت کی ہے وہ عمومی کیفیت میں ہے، اضطراری کیفیت سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کا مطلب رد المختار میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کا علاج رکھا ہے۔ اگر یہ علاج کسی حرام چیز سے ہو تو اس کی حرمت ختم ہو جائے گی اور وہ مباح قرار پائے گی۔ اس لیے کہ اللہ نے کسی حرام چیز میں تمہارے لئے شفا نہیں رکھی ہے۔(۵۸) اللہ تعالیٰ نے جس نفس کو وجود بخشا ہے اس کی حفاظت اور اس کو تندرست رکھنے کی بھی تدبیر بیان کر دی ہے، اگر وہ ان تدبیروں سے مستفید نہیں ہوتا تو اپنی جان کو خود ہی ہلاک کرنے والا شمار کیا جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گا جس کو اسلام نے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا ہے۔ البتہ اس اجازت کو بلا ضرورت کام میں لانا، ضرورت کی حد سے تجاوز کرنا، غلط استعمال کرنا یہ سب صورتیں ممنوع ہیں۔ شریعت کی جو رخصتیں اور سہولتیں ضرورت کی بنا پر ہوتی ہیں وہ بس ضرورت ہی کی حد تک معتبر ہوتی ہیں، اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔

شریعت نے جن جن مقامات پر حفظان صحت کے لئے محرمات کی اجازت دی ہے، ان میں سے بیشتر اہم مواقع اور حالات کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

''اول یہ کہ حالت اضطرار کی ہو، خطرہ جان جانے کا ہو۔ معمولی تکلیف و بیماری کا یہ حکم نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ بجز حرام کے اور کوئی چیز علاج و دوا کے لئے مؤثر نہ ہو یا موجود نہ ہو، جیسے شدید بھوک کی حالت میں، استثناء اسی وقت ہے جب کہ کوئی دوسری حلال غذا موجود و مقدور نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ اس حرام کے استعمال کرنے سے جان بچ جانا یقینی ہو، جیسے بھوک سے مضطر کے لئے ایک دو لقمہ حرام گوشت کا کھا لینا عادۃً اس کی جان بچانے کا یقینی سامان ہے۔ اگر کوئی دوا ایسی ہے کہ اس کا استعمال مفید تو معلوم ہوتا ہے، مگر اس سے شفا یقینی نہ ہو تو اس دوائے حرام کا استعمال آیت مذکور کے استثنائی حکم میں داخل ہوکر جائز نہیں ہو گا۔ اس کے ساتھ مزید دو شرطیں آیت مذکور میں منصوص ہیں کہ اس کے استعمال سے لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو اور قدر ضرورت سے زائد استعمال نہ کی جائے۔ آیت مذکور کی تصریح اور اشارات سے جو قیود و شرائط حاصل ہوئے، ان شرائط کے ساتھ ہر حرام و ناپاک دوا کا استعمال خواہ کھانے پینے سے ہو یا خارجی استعمال میں بالاتفاق فقہاء امت جائز ہے۔ ان شرائط کا خلاصہ پانچ چیزیں ہیں:

(۱) حالت اضطرار کی ہو، یعنی جان کا خطرہ ہو۔
(۲) دوسری کوئی حلال دوا کارگر نہ ہو یا موجود نہ ہو۔
(۳) اس دوا سے مرض کا ازالہ عادۃً یقینی ہو۔
(۴) اس کے استعمال سے لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔
(۵) قدر ضرورت سے زائد اس کا استعمال نہ کیا جائے۔''(۵۹)

عام حالت میں ناپاک اشیاء سے بنی دوا کے استعمال کا حکم:

ناپاک اور حرام دوا سے علاج کرانے کی جو رخصت شریعت نے دی ہے، اس کا تعلق اضطراری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالت سے ہے۔ عام حالت میں اس سے استفادہ کی اجازت نہیں ہے۔ مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے اس زمانے میں جو دوا تیار ہوتی ہے اور لوگ اسے عام بیماری میں استعمال کرتے ہیں، ان میں بہت سی دوا ناپاک اشیاء سے تیار ہوتی ہیں، اس کے استعمال کا کیا حکم ہو گا؟ جب کہ حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ عام بیماری میں بھی ناپاک شے کا بطور دوا استعمال کیا گیا ہے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس سلسلہ میں بھی علماء اور فقہاء کا اختلاف ہے۔ فقہاء کرام کی بڑی تعداد کی رائے ہے کہ عام حالت میں اس کا استعمال درست نہ ہو گا۔ بعض دوسرے فقہاء اس کو جائز قرار دیتے ہیں اور دلیل میں حدیث عرینہ کو پیش کرتے ہیں۔ جو محل غور ہے اور اس میں متعدد احتمالات ہیں۔ اس لیے عام حکم تو وہی رہے گا۔ البتہ فقہائے متأخرین نے موجودہ زمانے میں حرام و ناپاک دواؤں کی کثرت اور ابتلائے عام اور عوام کے ضعف پر نظر کرکے اس شرط کے ساتھ اجازت دی ہے کہ کوئی دوسری حلال اور پاک دوا اس مرض کے لئے کارگر نہ ہو یا موجود نہ ہو۔ چنانچہ علامہ شامی(م۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء) لکھتے ہیں:

''حرام چیزوں کو بطور دوا استعمال کرنے میں اختلاف ہے اور ظاہر مذہب میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ جیسا کہ **بحرالوائق** کتاب الرضا میں مذکور ہے۔ لیکن مصنف تنویر نے اس جگہ رضا میں بھی اور یہاں بھی حاوی قدسی سے نقل کیا ہے کہ بعض علماء نے فرمایا دوا و علاج کے لیے حرام چیزوں کا استعمال اس شرط سے جائز ہے کہ اس دوا کے استعمال سے شفا ہونا عادۃً یقینی ہو اور کوئی حلال دوا اس کا بدل نہ ہو سکے، جیسا کہ پیاسے کے لئے شراب کا گھونٹ پینے کی اجازت دی گئی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔''(۶۰)

علامہ یوسف القرضاوی کی بھی یہی رائے ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب '**الحلال و الحرام فی الاسلام**' میں لکھتے ہیں:

''اس کے باوجود شریعت کی نظر میں مجبوری کی ایک حقیقت ہے، جس کی مناسبت سے احکام ہیں۔ فرض کیجئے شراب یا کوئی ایسی چیز جس میں شراب ملائی گئی ہو، کسی ایسے مرض کا علاج پائے جس میں انسانی زندگی خطرہ میں پڑ گئی ہو اور کوئی ایسی دوا نہ مل سکتی ہو جو اس سے بے نیاز کر دے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایسی صورت ممکن ہے اور یہ دوا تجویز کرنے والا مسلمان ماہر طبیب ہو جو دین کے معاملہ میں غیرت مند بھی ہو، تو ایسی صورت میں شریعت کے اصول جو آسانی پیدا کرنے اور حرج کو رفع کرنے پر مبنی ہیں، اس کے استعمال سے نہیں روکتے، بہ شرطیکہ یہ استعمال ممکنہ تنگ دائرہ کے اندر ہو۔''(۶۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خودکشی حرام ہے:

اسلام نے موت کی دعا کرنے سے منع کیا ہے، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ مصائب و مشکلات اور بیماری وغیرہ سے دوچار ہونے کے بعد انسان کو خودکشی کی اجازت دے دے۔ اگر کوئی شخص خودکشی کرتا ہے تو وہ فعل حرام کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کی سزا بڑی سخت ہوگی۔ اللہ کے رسولﷺ نے فرمایا:

"**الکبائر: الإشراک باللّٰه، وعقوق الوالدین وقتل النفس، والیمین الغموس**".(۶۲)

(کبیرہ گناہوں میں ہے: اللہ کے ساتھ شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی نفس کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا)

انسان کتنا ہی متقی اور پرہیزگار ہو اور کتنی ہی نیکیاں کمائی ہو اور بھلائی کا کام کیا ہو، اگر وہ دنیاوی پریشانیوں اور ناکامیوں سے دوچار ہو کر یہ اقدام کرتا ہے تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو گا۔ موت کا وقت متعین ہے اور جس نے انسان کو پیدا کیا ہے وہی اس کا اختیار رکھتا ہے کہ کب تک اسے زندہ رہنا ہے اور رہنا چاہئے۔ ارشاد ربانی ہے:

"**فَاِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لاَ يَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلاَ يَسْتَقْدِمُوْنَ.**" (النحل:۶۱)

(جب موت کا وقت آجاتا ہے تو ایک ساعت بھی آگے پیچھے نہیں ہوسکتی)

خودکشی کا اقدام مشکلات سے فرار کا راستہ ہے۔ یہ دنیا دار الامتحان ہے، ہر وقت اور ہر منزل پر آدمی کا واسطہ نئے نئے مسائل سے پڑتا ہے اور وہی شخص اس میں کامیاب ہے جو ہر طرح کی پریشانیوں کا جم کر مقابلہ کرے اور زندگی کی آخری منزل تک پہنچ جائے۔ جو شخص شدائد و مشکلات میں صبر کا دامن چھوڑ بیٹھے اور جلد بازی و بے صبری میں متاع حیات ہی کو ختم کر دے وہ موت کے بعد جو اس کی دوسری زندگی شروع ہونے والی تھی اس کو اپنے ہی کرتوتوں سے درہم برہم کر دیا۔ اس دوسری زندگی میں بھی وہی شخص کامران ہو گا اور اس کا لطف اٹھائے گا جس نے اس دنیا میں نازک ترین لمحات میں بھی خدا کا بندہ ہونے کا ثبوت دیا اور زندگی کے آخری سانس تک وہ اس پر قائم رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس دنیا کو آنے والی دوسری دنیا کا ضمیمہ قرار دیا ہے۔ یہاں جو عمل اچھا یا برا کیا جائے گا اس کا بدلہ اسے دوسری زندگی میں مل کر رہے گا۔ خودکشی بھی ایک غلط اور ناپسندیدہ عمل ہے۔ جس سے آدمی کی آخرت خراب ہوتی ہے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں بڑی شجاعت اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہادری کا مظاہرہ کیا اور ہر محاذ پر دشمنوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ اس کی اس بہادری کو دیکھ کر ہر طرف سے تحسین و تعریف ہونے لگی۔ بالآخر وہ لڑتے لڑتے شدید زخمی ہوگیا اور زخم کی تکلیف برداشت نہ کر سکا، تو اس نے اپنی ہی تلوار کی نوک اپنے سینے میں پیوست کر لی جس سے اس کی موت ہو گئی۔ جس سے وہ جہنمی ٹھہرا۔ حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں:

''حضورﷺ اور مشرکوں کا ایک جنگ میں مقابلہ ہوا (جنگ خیبر یا جنگ احد میں) اور لڑائی ہوئی۔ جب آپﷺ اپنی فوج کی طرف پھرے اور مشرک اپنی فوج کی طرف تو آپﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص تھا جو مشرکوں کے مختصر دستہ کو پاتا اس کا پیچھا کرتا اور اس پر حملہ کرتا۔ ان کی بہادری کو دیکھ کر ایک شخص نے کہا آج تو ہمارے کام کوئی اتنا نہیں آیا جتنا کہ یہ آیا۔ آپﷺ نے فرمایا: جان لو! وہ دوزخی ہے۔ یہ سن کر صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا: میں اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہوں (دیکھوں تو وہ دوزخ کا کون سا کام کرتا ہے) خیر وہ اس کے ساتھ نکلا، جب وہ کہیں ٹھہرتا یہ بھی ٹھہرتا اور جب وہ دوڑتا تو یہ بھی اس کے ساتھ دوڑ جاتا۔ آخر ایسا ہوا کہ (لڑتے لڑتے) وہ بہت زخمی ہوگیا۔ جلدی مرنے کے لئے اس نے اپنی تلوار کا قبضہ زمین پر رکھا اور نوک اپنے سینے پر دونوں چھاتیوں کے بیچ میں، پھر تلوار پر زور ڈالا اور اپنے تئیں ہلاک کر لیا۔ جو شخص اس کے ساتھ گیا تھا وہ اس کے پاس سے چلا آیا اور حضورﷺ سے کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے پیغمبر ہیں ۔آپﷺ نے پوچھا کہہ تو کیا ہوا؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے جس شخص کے لیے فرمایا تھا کہ وہ دوزخی ہے اور لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تھا، تو میں نے ان سے کہا تھا کہ میں تم کو اس کا حال معلوم کرانے کے لئے اس کے ساتھ رہتا ہوں، خیر میں اس کے ساتھ نکلا جب وہ زخمی ہوا تو اس نے جلدی کرنے کے لئے تلوار کا قبضہ زمین پر رکھا اور نوک سینے سے لگائی، پھر اس پر زور دیا اور اپنے تئیں مار ڈالا۔ یہ سن کر آپﷺ نے فرمایا لوگوں کی نظر میں ایک آدمی (ساری عمر) بہشت والوں کے سے کام کرتا رہتا ہے، حالاں کہ وہ دوزخی ہوتا ہے اور ایک آدمی (عمر بھر) دوزخ والوں کے کام کرتا ہے، حالاں کہ وہ جنتی ہوتا ہے۔''(٦٣)

اسی طرح حضرت جندب بن عبد اللہ بجلی روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسولﷺ نے فرمایا، تم میں سے پہلے جو قومیں گزر چکی ہیں، ان میں کے ایک شخص کا واقعہ ہے کہ اسے زخم لگا وہ اس کی تکلیف برداشت نہ کر سکا اور چاقو سے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اس سے اس قدر خون بہا کہ اس میں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا انتقال ہو گیا۔ اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندہ نے جلدی کی، قبل اس کے کہ میں اس کی روح قبض کرتا، اس نے خود ہی اپنے آپ کو ختم کر دیا۔ لہٰذا میں نے اس کے لئے جنت حرام کر دی:

''کان فیمن کان قبلکم رجل به جرح فجزع فأخذ سکینا فحزبها یده فما رقأ الدم حتی مات، قال اللّٰه عزوجل: بادرنی عبدی بنفسه حرمت علیه الجنة.''(۶۴)

جب کہ ایک دوسری حدیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے:

''من قتل نفسه بحدیدة فحدیدته فی یده یتوجا بها فی بطنه فی نارجهنم خالدا مخلدا فیها ابدا،ومن شرب سما فقتل نفسه فهو یتحساه فی نار جهنم خالدا مخلدا فیها ابدا،ومن تردی من جبل وقتل نفسه فهو یتردی فی نارجهنم خالدا مخلدا فیها ابدا.''(۶۵)

(اللہ کے رسولﷺ نے فرمایا :جو شخص اپنے تئیں آپ لوہے کے ہتھیار سے مار لیوے تو وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہو گا، گھونپتا رہے گا اس کو اپنے پیٹ میں۔ اور جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور جو شخص زہر پی کر اپنی جان لے لے تو وہ چوسا کرے گا اسی زہر کو جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور جو شخص پہاڑ سے گرا کر اپنے تئیں مار ڈالے تو وہ ہمیشہ گرا کرے گا جہنم کی آگ میں سدا اس کا یہ حال رہے گا)

خودکشی کرنے والے کے ساتھ نہ صرف خدا کا معاملہ درد ناک ہو گا، بلکہ دنیا میں بھی ایسے لوگوں کی کوئی وقعت نہیں ہوتی اور اس کے برے نتائج سے اس کے گھر والے اور عزیز و اقارب دو چار ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے رشتہ داروں سے معاشرہ کے دوسرے لوگ تعلق نہیں رکھتے۔ رشتہ داری کرنے میں ان سے خائف ہوتے ہیں اور ان کے گھر والوں کے ساتھ طعن و تشنیع کا معاملہ کرتے ہیں اور سماج و معاشرہ کی ہمدردی سے بھی وہ محروم ہو جاتے ہیں۔ خودکشی کرنے والا تو چلا گیا، مگر اس کے اس غلط عمل سے ان کے احباب کو کتنا نقصان پہنچتا ہے اس کا اندازہ اگر اسے ہو جائے تو کوئی شخص اس فعل حرام کا مرتکب نہیں ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ کے رسولﷺ کو ایک مسلمان کے خودکشی کرنے کی خبر ملی تو آپ برہم ہوگئے اور فرمایا کہ میں اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا:

''مرض رجل فصیح علیه فجاء جاره الیٰ رسول اللهﷺ فقال له: انه قد مات، قال: ومایدریک؟ قال: انا رأیته، قال رسول اللهﷺ: انه لم یمت، قال: فرجع فصیح علیه فجاء الیٰ رسول اللهﷺ فقال: انه قد مات: فقال النبیﷺ: انه لم یمت،قال: فرجع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فصیح علیه فقالت امرته' انطلق الیٰ رسول اللهﷺ فاخبره، فقال الرجل: اللهم العنه قال: ثم انطلق الرجل فراٰه قد نحرنفسه بمشقص معه، فانطلق الی النبیﷺ فاخبره انه قدمات: قال ومایدریک؟ قال: رأیته ینحر نفسه بمشاقص معه، قال انت رأیته؟ قال: نعم، قال: اذا لا اصلی علیه.''(٢٦)

(ایک شخص بیمار ہوا، پھر اس کی موت کی خبر مشہور ہوئی، اس کا ہم سایہ رسول اللہﷺ کے پاس آیا، عرض کیا: یا رسول اللہﷺ: فلاں شخص مر گیا۔ آپﷺ نے فرمایا: تجھے کیسے معلوم ہوا؟ کہا میں خود اس کو دیکھ کر آیا ہوں۔ آپﷺ نے فرمایا: وہ مرا نہیں ہے۔ پھر وہ لوٹ گیا، بعد میں اس کی موت کی پھر خبر مشہور ہوئی۔ پھر وہ آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہﷺ: وہ تو مر گیا۔ رسول اللہﷺ نے فرمایا: وہ مرا نہیں ہے۔ پھر وہ لوٹ گیا، پھر خبر مشہور ہوئی کہ وہ مر گیا۔ اس کی بیوی (مریض کی بیوی) نے اس آدمی سے (یعنی ہم سایہ سے) کہا: جاؤ اور اللہ کے رسولﷺ کو خبر کر دو۔ وہ بولا: اے خدا لعنت کر اس پر، پھر وہ شخص اس مریض کے پاس گیا اور دیکھا اس کو کہ اپنے گلے کو کاٹ لیا ہے تیر کی نوک سے۔ تب وہ اللہ کے رسولﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہؐ! وہ مر گیا۔ آپؐ نے فرمایا: تجھے کیسے معلوم ہوا؟ وہ بولا: میں خود اس کو دیکھ کر آیا ہوں، اس نے اپنا گلا کاٹ لیا ہے تیر سے۔ آپﷺ نے فرمایا؟ تونے دیکھا؟ وہ بولا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''پھر تو میں اس پر نمازجنازہ نہ پڑھوں گا'')

اسلام نے کسی بھی حال میں خودکشی کی اجازت نہیں دی ہے۔ اندازہ لگایئے جس نے انسان کو پیدا کیا، ماں کے شکم سے لے کر زندگی کے آخری حصے تک اس کی حفاظت ونگرانی فرمائی اور اس نے اس کو سکون و راحت کی نعمت سے سرفراز کیا، تو وہی اپنے بندوں کو مصائب و مشکلات میں مبتلا کرتا ہے۔ جب اس کو خوشی ملتی ہے تو وہ عیش کرتا ہے اور جب پریشانی آتی ہے تو وہ اس سے فرار کی راہ اختیار کرتا ہے اور اپنے اوپر موت کو طاری کرتا ہے، یہ کیسی بوالعجبی ہے۔ کچھ لوگ خودکشی کے حق میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ انسان اپنی جان کا مالک ہے اور اسے اختیار ہے کہ وہ اسے ختم کر دے یا باقی رکھے۔ مزید طرفہ تماشا یہ کہ بعض موقع پر تو اس عمل کو وہ پسند نہیں کرتے مگر بیماری اور تکلیف کی حالت میں اس عمل کو بروئے کار لانے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ایسا شخص زندگی کو اس لئے ختم کر رہا ہے کہ وہ تکلیف کا باعث بن گئی ہے اور اس کی وجہ سے وہ سخت اذیت محسوس کر رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی کی جان کب لی جائے گی؟

کوئی شخص کسی شدید بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو نہ صرف اس کے قریب ترین رشتہ دار اور احباب کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی بیماری کے ازالہ کے لئے بہتر سے بہتر علاج کی کوشش کریں اور جو احتیاطی تدابیر ہوسکتی ہیں اسے بروئے کار لائیں۔ اسی طرح معالج کا بھی فریضہ ہے کہ مریض کی بیماری کو رفع کرنے کی سنجیدہ کوشش کرے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی تکلیف کو دیکھ کر اس کے زندہ رہنے کا حق ہی ختم کر دے۔ جب کوئی شخص کسی کو ایک لمحہ کی زندگی نہیں دے سکتا تو اسے اس کا بھی اختیار نہیں ہے کہ کسی کی جان ایک لمحہ پہلے ختم کر دے۔ اسلام نے ہر شخص کی جان کو محترم قرار دیا ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ اس کے ساتھ احترام کا معاملہ کیا جائے۔ البتہ کسی وجہ سے حالات ایسے ناسازگار ہو جائیں اور کسی نفس کا قتل کرنا ضروری ہو جائے تو اس صورت میں اسلام کا موقف یہ ہے کہ سماج کے ایسے ناسور کو ختم کر دیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

"وَلاَ تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ." (الانعام:۱۵۱)

وہ حالات کیا ہیں جن کی وجہ سے انسان کا قتل مباح ہو جاتا ہے، اس کی تفصیل قرآن میں یہ بیان کی گئی ہے:

> **"مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعَاً وَمَنْ اَحْیَاھا فَکَاَنَّمَا اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا."** (المائدہ: ۳۲)
>
> (جو کوئی کسی نفس کو قتل کرے، بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد پھیلایا ہو تو اس نے گویا سب انسانوں کا قتل کیا، جس نے کسی نفس کو زندہ رکھا، گویا اس نے سب انسانوں کو زندہ کیا)

اسی حکم کو اللہ کے رسول ﷺ نے اس انداز میں بیان فرمایا ہے:

> **"لایحل دم رجل مسلم یشھد ان لا الہ الااللّٰہ وانی رسول اللّٰہ الاباحدی ثلث:الثیب الزانی، النفس بالنفس، والتارک لدینه والمفارق للجماعة."**(٦٧)
>
> (کسی مسلمان کی جان لینا جو اللہ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا ہو جائز نہیں ہے، مگر یہ کہ وہ قاتل ہو یا شادی شدہ زانی ہو یا دین سے نکل جانے والا اور جماعت کو چھوڑ دینے والا ہو)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہائے اسلام نے بھی ان تمام حالات اور مواقع کی تفصیل بیان کر دی ہے جن میں بطور سزا یا دیت کے انسان کا قتل روا ہے۔(۶۸)

کیا قطع حیات کے لئے مریض کی رائے قابل اعتبار ہو گی؟

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں یہ اندازہ بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام میں انسان کی جان کتنی محترم ہے۔ اس سے اس بات پر بھی غور کیا جا سکتا ہے کہ جس اسلام نے ہلکی پھلکی تکلیف پر نہ صرف دواؤں و علاج کو ضروری قرار دیا، بلکہ مرض کی تکلیف سے دوچار ہو کر موت کی تمنا کرنے کی بھی ممانعت کر دی ہے۔ اس کے بعد خودکشی کو مصائب و مشکلات سے فرار کی راہ قرار دیتے ہوئے اور سماجی و دینی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی وجہ سے جو نقصانات ہوتے ہیں، اس کے پیش نظر اسے حرام قرار دیا ہے۔ ایسی صورت میں یوتھینیز یا (Euthanasia) پر عمل کرنے کی اسلام کیسے اجازت دے سکتا ہے اور اس سلسلے میں اس کی ہمدردی و حمایت کیوں کر ہو سکتی ہے جو 'بہ جذبہ رحم قتل' ہے۔ نہ تو مریض پریشانیوں سے دوچار ہو کر اپنی مرضی سے اسے بروئے کار لا سکتا ہے۔ جیسا کہ 'ہمفری' کی رائے ہے اور نہ وہ ڈاکٹر کو اس کی اجازت دے سکتا ہے کہ وہ پریشانی بسیار کے وقت اس کی جان ختم کر دے، تاکہ اسے تکلیف سے نجات مل جائے۔ چہ جائے کہ یہ اجازت مریض ہوش و حواس کی سلامتی کے وقت دے یا بے ہوشی کے عالم میں۔ کسی بھی طرح اس کا یہ اقدام یا اجازت معتبر نہ ہوگی اور اگر وہ خود سے اس عمل کو انجام دیتا ہے تو وہ خودکشی کرنے والا قرار پائے گا اور ایسے وقت میں سماج و معاشرہ کی ہمدردی بھی اس سے ختم کرلی جائے گی۔ خودکشی یا 'یوتھینیز یا' پر عمل کرنے سے جو مفاسد سماج و معاشرہ پر مرتب ہوں گے اسے بہر صورت ذہن میں رکھنا ہو گا۔ کیوں کہ اس سے نہ صرف لوگوں کا مفاد وابستہ ہے، بلکہ یہ سماج اور معاشرہ کے ساتھ دھوکہ و فریب دینے کی بھی ایک صورت ہے۔ مثلا یہ کہ کوئی شخص کسی کا قرض لیے ہوئے ہے یا وہ بینک سے بھاری رقم لے چکا ہے، جس کو بروقت وہ ادا کرنے کی حالت میں نہیں ہے اور اس کی وجہ سے بعض حدود و قیود کا بھی پابند ہونا پڑے گا، نجات پانے کے لئے مقروض اس عمل کو راز دارانہ طریقے سے بھی انجام دے سکتا ہے اور ڈاکٹروں سے وہ کہہ سکتا ہے کہ چوں کہ میری تکلیف میں کمی نہیں ہو رہی ہے اور مرض بھی لاعلاج ہے تو ایسی صورت میں تار حیات کاٹ دیا جائے۔ اسی طرح وہ انشورنس سے بھی قبل از وقت فائدہ اٹھانے کے لئے یہ عمل اختیار کر سکتا ہے۔

بیماری اور تکلیف ایک اضافی چیز ہے، جو ہر ایک کے ساتھ لاحق ہوتی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام میں بیماری کو گناہوں کا کفارہ قرار دیا گیا ہے اور مسلمان بندہ اس تکلیف کو بہ طیب خاطر برداشت کرتا ہے اور اسے عطیہ خداوندی سمجھتا ہے تو آخرت میں اس کا درجہ بہت بلند ہے۔ فقہ اسلامی میں یہ اصول موجود ہے کہ **المشقة تجلب التيسير**.(۶۹) مشقت اپنے ساتھ سہولت لاتی ہے۔ اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے:

> ''اس دنیا میں انسان کی ساری حالتیں مشقت کی ہیں، حتیٰ کہ کھانا پینا اور دوسرے تمام کام مشقت سے خالی نہیں ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی قدرت و طاقت دی ہے کہ وہ ان مشقتوں پر حاوی ہے نہ یہ کہ مشقتیں انسان پر حاوی ہیں''۔(۷۰)

شریعت کے اس اصول کو اگر انسانوں نے اپنے ذہن میں جگہ دے دی، تو وہ زندگی بھر کی مشکلات و مصائب اور تکالیف کو باسانی جھیل سکتاہے اور اس طرح نہ خودکشی کا فعل انجام پا سکتا ہے اور نہ ہی لاعلاج اور شدید تکلیف میں مبتلا مریض اپنے لئے موت کو دعوت دے سکتا ہے اور نہ ہی مریض کے رشتہ دار اس کے تارحیات کو کاٹنے کا خیال ذہن وفکر میں لا سکتے ہیں۔قتل بہر حال قتل ہے، چاہے مریض کی مرضی سے کیا جائے یا اس کے احباب کی اجازت سے اورقتل کے لئے چاقو استعمال کیا جائے یا بندوق کی گولی، یا پھر مہلک دوا یا زہریلے مادے سے، ہمدردی کے رشتہ سے کیا جائے یا دشمنی سے۔ ہر صورت میں قتل ہی ہو گا، جو قابل مواخذہ ہے۔ اس پس منظر میں مولانا جلال الدین عمری کا مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> ''اسلامی نقطہ نظر سےقتل کا جرم اس وجہ سے ہلکا نہیں ہوتا کہ کسی کو اس کی اجازت سے قتل کیا گیا۔ کوئی شخص جیسا کہ عرض کیا گیا، اپنی ذات کا مالک نہیں ہے۔ اس وجہ سے جس طرح اسے خودکشی کا حق حاصل نہیں ہے، اسی طرح اسے یہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے فرد کو اپنی زندگی ختم کرنے کی اجازت دے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مضطر اور مجبور انسان کو یہ پیش کش کرے کہ وہ اس کے جسم کا کوئی عضو کاٹ کر کھا لے تو وہ اسے کھا نہیں سکتا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حالت اضطرار میں بھی انسان کا گوشت جائز نہیں ہے، نہ وہ اسے قتل کر کے اپنا اضطرار دور کر سکتا ہے اور نہ اس کی پیش کش سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ یہ اس احترام کے خلاف ہے جس کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں پیش کش کرنے والے کی ہلاکت کا خطرہ ہے، جس طرح مجبور و مضطر شخص کی جان محترم ہے، اسی طرح اجازت دینے والے کی جان محترم ہے۔''(۷۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تصریح در اصل اس خیال کی تردید کرتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی مرضی سے چاہے تو قطع حیات کرا سکتا ہے اور شدید تکلیف میں مبتلا ہونے سے قبل وہ اپنے رشتہ دار یا ڈاکٹر کو اس عمل کے انجام دینے کی پیش کش کر سکتا ہے۔ مگر مریض نے شدید تکلیف میں مبتلا ہونے کے دوران یہ پیش کش کی تو اسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا کیوں کہ شدید کرب میں مبتلا شخص ذہنی لحاظ سے اس لائق نہیں ہوتا کہ وہ اپنی موت و حیات کے بارے میں کوئی سنجیدہ فیصلہ کر سکے۔ ایسے مریض بھی ہوتے ہیں جو بولنے اور ما فی الضمیر ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ بعض آدمی اچانک اس صلاحیت سے محروم ہوجاتا ہے، اس طرح کے افراد زندہ رہیں یا نہ رہیں ان کے فیصلے کرنے کا حق کس کو دیا جائے؟ ڈاکٹر یا ان کے رشتہ دار کو۔ لیکن ان میں سے کسی کو بھی یہ حق دینا مریض کے حق حیات پر شب خون مارنے کے ہم معنی ہے۔(۷۲)

قطع حیات کی اجازت کا اختیار مریض کے رشتہ داروں کو حاصل ہو گا؟

جہاں تک قریبی رشتہ داروں کا تعلق ہے کہ وہ کب تک مریض کی وجہ سے اپنے روزمرہ کے معمولات اور نظام زندگی کو متأثر کریں گے۔ تو کیا مریض کی پریشانی اس پریشانی سے زیادہ ہے کہ جب اس کی ماں نے اسے ۹ ماہ اپنے شکم میں رکھا تھا، پھر ولادت کے بعد اسے دو سالوں تک دودھ پلاتی رہی، اس کے بعد بھی پرورش و پرداخت کا سلسلہ بند نہیں ہو جاتا، بلکہ یہ سلسلہ اس کی بلوغیت تک جاری رہتا ہے اور اس پرورش و پرداخت میں باپ کا جو رول ہوتا ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ مرض تو عطاء خداوندی ہے اور جو اس کے اعمال کا کفارہ ہے، اسے یک دم کیوں ختم کرنے کا اختیار ان کے رشتہ داروں کو حاصل ہو سکتا ہے اور کون یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ مریض زندہ ہی نہیں رہے گا یا اس کی تکالیف میں کمی نہ ہو گی یا وہ سرے سے صحت یاب نہیں ہو گا۔ ایسی کئی مثالیں ہیں کہ جس مریض کو ڈاکٹروں نے لا علاج قرار دے دیا اور اس کی زندگی کے بارے یہ رائے ظاہر کر دی کہ مریض نہیں بچے گا باوجود اس کے مریض کی صحت بحال ہو گئی اور وہ زندہ ہے۔ اس لئے مریض کے رشتہ داروں کو بھی اس کا حق نہیں کہ مریض سے ہمدردی جتا کر اور اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مریض کی دوا روک دینے کی اجازت ڈاکٹر کو دیں۔ 'ہمفری' نے جو کہا ہے کہ شدید تکالیف کو نہ برداشت کرتے وقت مریض اپنی مرضی سے اس کی اجازت دے، اس میں اس کے رشتہ داروں کو دخل نہ دیا جائے۔(۷۳) جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ تکلیف دہ بیماری میں مبتلا ہونے سے قبل کسے اندازہ ہوتا ہے کہ کل اس پر کیا گزرے گی اور اسے کس طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہونا پڑے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گا۔ ایک شخص عمر کے آخری حصے میں ہے، باوجود اس کے وہ تندرست ہے اور اچانک اس کی موت آجاتی ہے، یا ایک شخص کمزور و ناتواں ہے مگر شدید تکلیف میں مبتلا نہیں ہے۔ رہی بات جب وہ ناقابل برداشت تکلیف میں مبتلا ہے تو اس وقت وہ اپنی مرضی سے اس رائے کا اظہار کرے تو یہ بھی محال ہے، اس وقت کی رائے اس کی کیوں کر معتبر ہوسکتی ہے۔ آدمی کو اس سے ہلکی تکلیف ہوتی ہے مثلاً وہ پیٹ کے درد میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ اس کو برداشت نہیں کر پاتا اور جزع و فزع کرنے لگتا ہے، تو پھر بات آکر رکے گی اس کے رشتہ دار پر کہ اس وقت اس سے زیادہ بہی خواہ، ہمدرد، اس کی دیکھ بھال اور خدمت کرنے والے یہی لوگ ہیں، وہ اس کے بارے میں بہتر فیصلہ کریں گے کہ اسے زندہ رہنے دیا جائے یا مار دیا جائے۔ اگر انہیں یہ حق دے دیا جائے تو کتنے مفاسد سے سماج دو چار ہو گا اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عمری رقم طراز ہیں:

> ''یہاں اس پہلو کو بھی کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے کہ انسان مفاد کا بندہ ہے۔ مسائل پر سوچتے وقت خود غرضی اس پر چھا جاتی ہے۔ لہٰذا یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ مریض کی خدمت سے نجات پانے اور اس کے مال و دولت پر جلد از جلد قبضہ کرنے کے لیے اسے ختم کر دے۔ اسے مریض کی صحت اور زندگی سے زیادہ اسے دنیا سے رخصت کرنے کی فکر بھی ہوسکتی ہے۔ اس صورت حال میں ناقابل علاج مریض کے رشتہ داروں کو اس کی زندگی اور موت کا فیصلہ کرنے کا حق دینے سے بڑی پیچیدگی پیدا ہوسکتی ہے۔ اس سے بہت سے قابل علاج مریض بھی ناقابل علاج قرار پا سکتے ہیں اور مریض ناقابل برداشت ہونے سے پہلے ہی اس دنیا کو چھوڑنے اور سفر آخرت اختیار کرنے پر مجبور ہو سکتے ہیں۔ اسی خطرہ کے پیش نظر اسلام نے یہ اصول مقرر کیا ہے، ''القاتل لایرث'' یعنی قاتل مقتول کی وراثت کا حق دار نہ ہو گا۔ اس حدیث کے الفاظ عام ہیں، اس لئے امام شافعی اور فقہائے احناف نے یہاں تک کہا ہے کہ غلطی سے بھی اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو اس کا وارث نہ ہو گا۔''(۲۷)

اس سلسلہ میں یہ مسئلہ بھی بڑا ہی اہم ہے کہ لاعلاج بیماری میں مبتلا شخص کی مالی حیثیت بہت کمزور ہے جس کی بنا پر وہ شدید تکلیف دہ پریشانی سے نجات پانے کے لئے مہنگا علاج نہیں کرا سکتا۔ یہی حالت اس کے رشتہ داروں کی بھی ہے۔ ایسی صورت میں اس کا کسی بھی طرح علاج نہ ہوسکے گا۔ ایسے وقت میں اسلام میں اس مریض کے ساتھ کیا رعایت برتی گئی ہے، یہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ کیا وہ 'یوتھینزیا' پر عمل کرکے آسانی سے اپنے اوپر موت طاری کر سکتا ہے۔ کیا یہ شقاوت نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو گی؟

معلوم ہونا چاہئے کہ ایسا واقعہ تو کم ہی رونما ہوتا ہے۔ اسپتال میں سارے مریض ایسے نہیں ہوتے اور نہ سارے مسلمان اس طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ ہمدردی کے جذبہ کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ نوبت نہیں آ سکتی۔ جب مسلمانوں کو امت محمدیہ کہلانے کا اعزاز حاصل ہے اور وہ اس کا دم بھرتے ہیں اور سارے مسلمانوں کو اپنا بھائی تصور کرتے ہیں تو دوسرے بھائی کو یہ احساس ضرور ہونا چاہئے کہ میرا ایک بھائی بستر مرض پر موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا ہے اور تکلیف سے ایڑیاں رگڑ رہا ہے صرف اس وجہ سے کہ اس کے پاس علاج کے پیسے نہیں ہیں۔ ایسی صورت میں محلّہ و پڑوس کے لوگ اور اس سے آگے بڑھ کر ثروت و دولت والے مسلمان بھائی کے لئے ضروری ہے کہ سب مل کر اس کے دوا و علاج کی فکر کریں اور اسے تڑپتا ہوا نہ چھوڑیں۔ تبھی جا کر مسلمان امت محمدیہ کا صحیح دم بھرنے والے ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ.“ (الحجرات:۱۰)

قرآن کریم میں اصلاح اور فساد کی اصطلاح بڑی معنی خیز ہے اور جسے بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ اس میں وہ سب چیزیں داخل ہیں کہ جن سے سماج اور معاشرہ میں خرابی آتی ہے اس کی اصلاح کی جائے۔ مریض کے ساتھ ہمدردی اور ان کا تعاون کرنا بھی تو اصلاح میں داخل ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”تری المؤمنین فی تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم کمثل الجسد اذا اشتکی عضوا تداعی له سائر جسده بالسهر والحمی.“(۷۵)

(ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے اس طرح ہے جیسے جسم کا کوئی عضو، کہ اگر جسم کے کسی حصہ میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو اس تکلیف سے سارا جسم متأثر ہوتا ہے، آنکھوں کی نیند ختم ہو جاتی ہے اور جسم حرارت و بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے)

اگر یہ تصور عام ہو جائے تو ان شاء اللہ یہ نوبت ہی نہیں آئے گی کہ ایک مسلمان قبل از وقت ہی روپے کی مجبوری کی وجہ سے موت کے آغوش میں چلا جائے۔ تاہم مجبوری میں ایسے مقہور شخص کی شریعت میں کچھ نہ کچھ رعایت ضرور موجود ہے، جو آگے معلوم ہو جائے گا۔

کیا ڈاکٹر کو قطع حیات کی اجازت ہوگی؟

ڈاکٹر کا طبی و اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ مریض کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کرے، اس کی بیماری کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھے اور ہر ممکن تکلیف کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایسا نہ ہو کہ ذرا سی حالت نازک ہوئی اور ہمت ہار دی اور بڑی آسانی سے رائے ظاہر کر دی کہ اس کا علاج ناممکن ہے۔ یا پھر تکلیف میں مبتلا شخص کی خواہش سے یا اس کے احباب کی اجازت سے کسی تدبیر کے ذریعہ اسے موت کی نیند سلا دے۔

اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اس رائے کا اظہار تو کر سکتا ہے کہ مریض قابل علاج ہے یا لاعلاج، اس کی صحت کی توقع کی جاسکتی ہے کہ نہیں، لیکن اسے یہ حق ہرگز حاصل نہیں کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ مریض کو زندہ رہنے دیا جائے یا نہیں۔ اگر ڈاکٹر مریض یا اس کے رشتہ داروں کی اجازت سے اس کی حیات کو ختم کرتا ہے تو اسلامی نقطہ نظر سے اس کا اقدام قابل مؤاخذہ ہے اور اس سے قصاص لیا جائے گا۔ قتل چھری سے کیا جائے یا بندوق کی گولی سے، یا تلوار سے یا زہریلی دوا پلا کر یا زہریلے انجکشن کے ذریعہ۔ تمام صورتوں میں اس اقدام کو قتل پر محمول کیا جائے گا۔(۷۶) فقہاء نے لکھا ہے اگر کسی شخص کو قتل کرنے پر مجبور بھی کیا جائے اور اس میں خود اس کی جان جانے کا بھی خطرہ ہو تو اسے قتل نہیں کرنا چاہیئے ورنہ وہ بھی گنہگار ہو گا۔ امام ابو حنیفہؒ (۸۰-۱۵۰ھ/ ۶۹۹-۷۶۷ء) فرماتے ہیں کہ اس صورت میں مجبور کرنے والا قاتل متصور ہو گا اور اس سے قصاص لیا جائے گا۔ لیکن امام مالکؒ (۹۳-۱۷۰ھ/۷۱۱-۷۸۶ء)اور امام احمدؒ (۱۶۴-۲۴۱ھ/۷۸۰-۸۵۵ء) فرماتے ہیں کہ قتل پر مجبور کرنے والا اور عملاً قتل کرنے والا دونوں ہی قاتل ٹھہریں گے اور دونوں سے قصاص لیا جائے گا۔(۷۷)

بیماری اور صحت یہاں تک کہ موت و حیات کا اختیار اللہ ہی کو ہے۔ اس نے علاج و معالجہ کے لئے ڈاکٹروں کو ذریعہ بنایا ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی ساری صلاحیت اور تجربات کو اس کے علاج کے لئے آخر وقت تک صرف کرتا رہے۔ اگر مریض کی صحت فوری طور پر بحال نہیں ہوتی ہے تو وہ مریض کی صحت کے تعلق سے مایوس نہ ہو اور نہ مریض کے رشتہ داروں کو مایوس اور حراساں کرے۔ ایسا نہ ہو کہ مریض کی صحت نے نازک رخ اختیار کیا اور دوا نے بھی کام کرنا چھوڑ دیا تو وہ ہمت ہار کر اس کے علاج سے الگ ہو گیا جس کی وجہ سے مریض کی تکلیف میں افاقہ کی جو بھی ٹوٹی پھوٹی امید تھی وہ بھی فوت ہو گئی اور مریض ایڑی رگڑ رگڑ کر مر گیا۔ ایسی حالت میں ڈاکٹروں سے مریض کا رشتہ مشکوک ہو کر رہ جائے گا جو کسی دوسرے بڑے سانحہ سے کم نہ ہو گا۔ جیسا کہ مولانا عمری فرماتے ہیں:

''طب کا مقصد انسان کی زندگی کو بچانا اور اسے آرام پہنچانا اب تک رہا ہے اور یہی اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا مقصد ہے۔ انسان کی زندگی کو ختم کرنے کے لئے اس کا استعمال اس کے مقصد ہی کو بدل کر رکھ دے گا۔ اس کی بعض صورتیں بڑی معصوم معلوم ہوتی ہیں اور مصیبت زدہ انسانوں کی ہمدردی کی شکل میں ہمارے سامنے آ رہی ہیں، لیکن اس کے بڑے خطرناک نتائج رونما ہو سکتے ہیں۔ صاف بات ہے کہ اگر یہ تصور پیدا ہو جائے کہ مریض کو ختم بھی کیا جا سکتا ہے تو اسے بچانے کی کوشش کم زور پڑ جائیں گی اور یہ طبی دنیا کے لئے کسی سانحہ سے کم نہ ہو گا''۔(۷۸)

اضافی بیماری میں افاقہ کا اثر ماقبل بیماری پر:

جہاں تک لاعلاج بیماری میں مبتلا مریض کی نئی اضافی تکلیف کا سوال ہے کہ اس کا علاج کیا جانا چاہئے یا نہیں؟ کیوں کہ وہ پہلے سے ہی لاعلاج بیماری میں مبتلا ہے۔ اس نئی مہلک بیماری کے علاج سے اس کی صحت پر کوئی اثر پڑنے والا نہیں ہے۔ یہ تو یقینی نہیں ہے کہ اس اضافی بیماری سے اس کی صحت پر خاصا اثر پڑے گا، مگر یہ بھی طے ہے کہ اس اضافی بیماری کے علاج سے اور اس کی تکلیف کے انسداد سے اس کی پہلی والی بیماری پر مثبت اثر پڑ بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔ کبھی کبھی چھوٹی بیماری بڑی بیماری کا پیش خیمہ ہوتی ہے، یعنی یہ اس اضافی تکلیف کے ختم ہونے سے پہلے والی بیماری ختم ہوجاتی ہے، جیسا کہ اطباء کا خیال ہے۔ ہر نئی بیماری کا پہلی بیماری یا تکلیف سے تعلق ہوتا ہے۔ کبھی ڈاکٹر پہلے واقع ہونے والی بیماری کا علاج نہیں کرتا، بلکہ بعد میں ہونے والی ہلکی پھلکی تکلیف کا علاج کرتا ہے اور اس طرح اس اضافی تکلیف میں افاقے کا اثر ماقبل بیماری میں مثبت ہوتا ہے۔

شریعت کے موقف کی وضاحت:

قبل اس کے کہ ہم اس بحث کو ختم کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ 'یوتھینز یا' سے متعلق علمائے ہند کی آراء کو بھی بیان کر دیا جائے، تاکہ نفس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھا جا سکے۔ آج سے کئی سال قبل جب یہ مسئلہ پہلے پہل ابھر کر سامنے آیا تو اس وقت آل انڈیا فقہ اکیڈمی دہلی کے بانی و جنرل سکریٹری قاضی مجاہدالاسلام صاحبؒ قاسمی (۱۳۵۵-۱۴۲۳ھ/۱۹۳۶-۲۰۰۲ء) نے شریعت کے موقف کی وضاحت کے لئے مباحثہ کی شکل میں اس مسئلہ کو ملک کے ممتاز علما ئے کرام کے سامنے رکھا۔ غالباً اس میں ۸/ علماء نے حصہ لیا اور قرآن و حدیث اور فقہ کی روشنی میں شریعت کے موقف کی وضاحت کی۔ ان میں ۳/ علماء(۷۹) کی رائے تھی کہ 'ایکٹیو یوتھینز یا 'مطلق حرام ہے، البتہ 'پیسو یوتھینز یا' پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیوں کہ یہ ترک تدبیر ہے اور دوا و علاج مباح ہے اور مباح کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترک پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ جب کہ ۵؍کبار علماء کی رائے 'یوتھینیزیا' کی دونوں شکلوں کے بارے میں یہ تھی کہ اس طرح کا عمل حرام ہے کیوں یہ قتل ہے۔ ان علماء کی آراء میں ۵؍لوگوں کی رائے کو قاضی صاحب نے پسند فرمایا اور اسے احکام شریعت سے قریب بتایا۔ (جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) پھر اس پر اپنا عالمانہ و محققانہ تبصرہ بھی فرمایا اور ان لوگوں کی دلیل کا رد کرتے ہوئے جواب دیا جو 'یوتھینیزیا' کی دوسری قسم کو جائز قرار دیتے تھے ۔ یہاں قاضی صاحب کے اسی تبصرہ کو قدرے اختصار کے ساتھ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے، جس سے شریعت کے حکم کو سمجھنے میں کافی تقویت ملتی ہے۔

مریض کی موت کے لیے مثبت اقدام کرنا حرام ہے:

Active Euthanasia (مریض کی موت کے لئے مثبت قدم اٹھایا جانا) بالاتفاق حرام ہے۔ چاہے مریض خود ایسی دوا استعمال کرے تو یہ خودکشی کا جرم ہے اور اگر ڈاکٹر یا تیمار دار ایسی دوائیں استعمال کراتا ہے تو یہ سب قتل کے مجرم ہیں۔ وہ دوائیں جن کی کثیر مقدار کا استعمال ذریعہ موت ہے، زہر اور سم کے حکم میں ہے اور حضورﷺ کا صریح ارشاد ہے:

> ''جس شخص نے زہر کھا کر اپنی جان لے لی، پس وہ زہر اس کے ہاتھ میں ہو گا، وہ اسے استعمال کرتا ہوا جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داخل ہو جائے گا۔''(۸۰)

علامہ عزالدین بن عبدالسلام لکھتے ہیں:

> ''اگر کسی شخص کو ایسا مرض ہو جائے کہ وہ تکلیف کی شدت کی وجہ سے اس کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کے لئے اپنے نفس کو قتل کر لینا جائز نہیں ہو گا۔''(۸۱)

علاج ہی نہ کیا جائے تاکہ مریض اپنی موت مر جائے، ناجائز ہے:

دوسری صورت یہ ہے کہ مارنے کے لئے کوئی دوا استعمال نہیں کی جاتی اور اصل حال مرض کا بہ ظاہر اطباء کے نزدیک ناقابل علاج ہے، لیکن جو نیا مرض مریض کو فوری طور پر لاحق ہو گیا ہے وہ بہ ظاہر مہلک ہے۔ظن غالب ہے کہ یہ مرض عارضی دوا و علاج سے اچھا ہو جائے گا تو ایسے مریض کو بعد میں پیدا ہونے والی بیماری کی دوا اس لیے نہ دینا کہ یہ مہلک بیماری کام کر جائے اور اس کی جان چلی جائے، اس صورت میں کوئی عملی اقدام نہیں کیا گیا ہے، بلکہ یہ محض ترک ہے، اس لئے بعض حضرات علماء نے کتب فقہ کی بعض ان عبارتوں سے استدلال کرتے ہوئے دوا و علاج کو محض مباح قرار دیا ہے اور ترک مباح گناہ نہیں ہے، اس صورت کے جواز پر رائے دی ہے۔ جب کہ حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب استاذ حدیث و فقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو، حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب قاضی شریعت کٹیہار بہار، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صدر مدرس دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد (حال جنرل سکریٹری آل انڈیا فقہ اکیڈمی، دہلی) مولانا زبیر قاسمی صاحب استاذ حدیث جامعہ رحمانی مونگیر (حال ناظم مدرسہ اشرف العلوم کنہواں سشمی بہار) اس پر متفق ہیں کہ یہ صورت بھی ناجائز ہے۔ راقم الحروف کو بھی اسی رائے سے اتفاق ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ بعض ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو سرے سے دوا و علاج کو توکل کے خلاف اور درست نہیں سمجھتے تھے۔ محقق فقہاء نے اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے علاج کو مباح اور جائز قرار دیا ہے اور احادیث نبویہؐ سے اس کی مشروعیت ثابت کی ہے، بلکہ بعض احادیث سے دوا و علاج کی ترغیب بھی ثابت ہوتی ہے۔ امام ترمذی نے ایک باب قائم کیا، جس کا عنوان ہے: "**باب ماجاء فی الدواء والحث علیه**" یعنی ان احادیث کا ذکر جن میں دوا و علاج اور ان کی ترغیب کا ذکر ہے۔ اس باب میں ترمذی نے ایک روایت نقل کی ہے:

> "اسامہ بن شریک کہتے ہیں کہ اعراب نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم دوا و علاج کرائیں؟ فرمایا: ہاں، اے اللہ کے بندو! دوا استعمال کرو، اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری نہیں پیدا فرمائی جس کی شفا (یا فرمایا دوا) نہ پیدا کی ہو، سوائے ایک بیماری کے۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! کون سی بیماری؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بڑھاپا۔"(۸۲)

اس حدیث نے جہاں طب اور میڈیکل سائنس کے طالب علموں کے لئے علم، تحقیق اور تجربہ کا میدان کھول دیا ہے کہ کوئی بیماری لاعلاج نہیں ہے۔ جس بیماری کو لا علاج سمجھا جاتا ہے، دراصل وہ انسانی علم کی کمی کا نتیجہ ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دوا ضرور پیدا فرمائی ہے، وہاں دوسری طرف اس سے دوا اور علاج معالجہ کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دوا و علاج کو اللہ پر یقین اور توکل کے خلاف سمجھنا غلط ہے۔ دواؤں سے شفا بھی اللہ کے اذن سے ہی ملتی ہے۔ دوائیں بذات خود کچھ نہیں، تقدیر الٰہی سب پر غالب ہے۔ "مرگ چوں آمد طبیب ابلہ شود" دواؤں کا استعمال دراصل ان اسباب کا استعمال ہے، جو اللہ نے شفاء کے لئے پیدا کیا ہے۔ جب کہ توکل کا مطلب "ترک اسباب" نہیں، بلکہ اسباب کا استعمال کرنا اور نتیجہ خالق اسباب، یعنی اللہ کے ہاتھ میں یقین کرنا ہے۔ مولانا جلال الدین خوارزمی نے 'کفایۃ' میں اور امام اکمل الدین بابرتی (م۷۸۶/۱۳۸۴ء) نے 'عنایۃ' میں لکھا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''دوا و علاج کی اباحت کے بارے میں حدیث وارد ہے۔حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ کے بندو! علاج کراؤ، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری نہیں پیدا فرمائی ہے جس کی دوا نہ پیدا کی ہو، سوائے موت اور بڑھاپے کے۔'' جب کہ توکل کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ اسباب تو عمل میں لائے جائیں، پھر اس کے بعد اللہ پر بھروسہ کیا جائے نہ کہ اسباب پر۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو کھجور کی شاخ ہلانے کا حکم دیا، حالاں کہ وہ اس پر قادر تھا کہ بغیر شاخ ہلائے انہیں روزی عنایت فرماتا۔''(۸۳)

مرض جسم انسانی کو کمزور اور تکلیف پہنچاتا ہے جو بہ ظاہر موت کا سبب بنتا ہے۔ جن چیزوں کی حفاظت شریعت میں معتبر بنیادی مصالح کا درجہ رکھتی ہیں، ان میں سے ایک نفس اور جان کی حفاظت بھی ہے اور روح انسانی کی سواری جسم انسانی ہے۔ اس کے ساتھ رفق و نرمی کے برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی لئے ایسی ریاضت کی شرع نے اجازت نہیں دی ہے، جس کا نتیجہ جسم کو کمزور کرتا ہے۔ مثلاً ترک غذا یا تقلیل غذا (Dieting) کے ذریعہ اپنے جسم کو بے ضرر لاغر کرنا، یہ جسم انسانی پر ظلم ہے۔ 'عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر' میں لکھا ہے:

''انسان کے لئے تقلیل غذا کے ذریعہ ریاضت، یہاں تک کہ عبادت کی ادائیگی سے عاجز ہو جائے، جائز نہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری جان تمہاری سواری ہے، پس اس کے ساتھ نرمی برتو۔'' نرمی یہ ہے کہ اسے تکلیف نہ پہنچائی جائے اور نہ بھوکا رکھا جائے۔''(۸۴)

عام حالا ت میں تو دوا و علاج محض جائز و مباح ہے، لیکن جب جسم انسانی مرض کی وجہ سے شدید اذیت کا شکار ہو اور اللہ کی پیدا کی ہوئی جڑی بوٹی اور دواؤں کے ذریعہ اس تکلیف کے دور ہونے یا بہ ظاہر حال تحقیق و تجربہ کی روشنی میں اس مرض کے مہلک ہونے کا گمان غالب ہو اور ان اسباب اور دواؤں تک علم انسانی کی رسائی ہو چکی ہو، جنہیں اللہ نے ان امراض سے نجات کے لیے پیدا کیا ہے اور ظن غالب ہو کہ ان دواؤں کے استعمال سے یہ مہلک مرض دور ہو جائے گا، ہر دو صورت میں ان دواؤں کا استعمال بس میں ہو تو ایسی صورت میں ایسی دواؤں کا استعمال نہ کرنا اور نفس کو تکلیف وہلاکت میں یہ کہہ کر ڈالتے رہنا کہ علاج محض مباح ہے، بڑی سخت بات ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَلاَ تُلْقُواْ بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ.'' (البقرہ:۱۹۵)
(اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ میڈیکل سائنس نے علم، تحقیق اور تجربہ کا جو سفر صدیوں سے طے کیا ہے اور روز مرہ جو انکشافات ہو رہے ہیں، وہ قدرت الٰہی کے ان سربستہ رازوں کو جاننے کی کوشش ہے، جن کی تخلیق انسانی فائدے کے لئے خالق کائنات نے کی ہے اور جنہیں انسانوں کے مفادات کی خاطر مسخر کر دیا گیا ہے۔

یہاں گفتگو ٹونے ٹوٹکے اور اٹکل پچو علاج کی نہیں ہے، بلکہ اس تحقیق و تجربہ سے حاصل علم کی ہے جس کے نتیجہ میں شفا کا قطعی یقین تو نہیں کیا جا سکتا، لیکن شفاء کی امید ہی نہیں، بلکہ ظن غالب حاصل ہوتا ہے۔ ویسے اگر موت ہی مقدر ہے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا) کہ تقدیر الٰہی کے سامنے بہترین انسانی تدبیریں ناکام ہوتی رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ تقدیر الٰہی کیا ہے؟ اسی مرض میں مرنا مقدر کر دیا گیا ہے یا زندگی ابھی باقی ہے؟ اس لئے بیمار ہوئے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ گئے، شفاء کے ظاہری اسباب موجود ہیں، مگر انہیں ترک کر بیٹھے، جیسے تقدیر الٰہی معلوم ہوگئی ہو، اس روش کو صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ جن فقہاء کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں اور جنہوں نے دوا و علاج کو مباح قرار دیا ہے ان کا تعلق عام حالات (Normal Condition) سے ہے۔ لیکن خاص حالات میں بھی یہی حکم برقرار رہے گا، کہنا مشکل ہے۔

اصل یہ ہے کہ شرع نے جن مصالح کی رعایت کی ہے، ان کی حفاظت چاہتی ہے۔ جب مصالح اور مفاسد کا ٹکراؤ ہو تو مقصود مصالح کے حصول کے لئے چھوٹے چھوٹے مفسدوں کو گوارا کرتی ہے۔ نفس و جان کی حفاظت بھی شرع میں معتبر اور مقصود بنیادی مصالح کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لیے سڑے ہوئے ہاتھ کا کاٹ دینا باقی جسم کی سلامتی کے لئے درست ہے۔ علامہ عزالدین ابن عبدالسلام لکھتے ہیں:

> ’’جس مصلحت کا حصول کسی جزئی فساد پر موقوف ہو، اس جزئی فساد کو اس کلی مصلحت کی خاطر گوارا کیا جائے گا۔ مثلاً: اگر کسی شخص کے جسم کا کوئی حصہ سڑ گل رہا ہے اور خطرہ ہے کہ اگر اسے کاٹا نہیں گیا تو جان چلی جائے گی، تو جان کی حفاظت کے لئے اس ہاتھ کا کاٹا جانا برداشت کیا جائے گا، بشرطیکہ غالب ظن یہ ہو کہ ہاتھ کاٹ دینے سے جان بچ جائے گی۔‘‘(۸۵)

یہ بھی طے ہے کہ جان کی حفاظت مصالح واجبہ میں سے ہے۔ اگر جان جانے کا خطرہ ہو تو حرام، حلال ہو جاتا ہے۔ جن فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ زندگی کی سلامتی کی خاطر غذا کا استعمال بقدر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت فرض ہے، اگر جان بچانے کے لئے محرمات کھانے پڑیں تو مردار کیوں نہ ملے، اسے کھانا اور اپنی جان بچانا چاہئے۔ کوئی شخص ایسے حالات میں حرام غذا کا استعمال نہ کرے اور اس کی جان چلی جائے تو وہ گنہگار ہو گا۔

غذا اور دواکے درمیان فرق کیا ہے؟ اس کی توجیہ ان فقہاء نے یہ کی ہے کہ غذا کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے جس نے غذا استعمال نہیں کی اس نے اپنی جان ہلاکت میں ڈالی اور یہ گناہ ہے بخلاف دواکے ان فقہاء کے تجزیہ کے مطابق دوا کے بغیر بھی لوگ شفایاب ہو جاتے ہیں اور دوا کھا کر بھی لوگ مر جاتے ہیں۔ لہٰذا نہ دوا کے استعمال سے سلامتی یقینی ہے اور نہ دوا کے ترک سے موت یقینی ہے۔ اس لیے دوا کا استعمال نہ کرنا گناہ نہ ہو گا. **مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر** میں یہ صراحت موجود ہے:

> ''کھانا، یعنی غذا اور اسی طرح پینا بعض موقعوں پر فرض ہے۔ یعنی اتنی مقدار میں جس سے انسان کی جان ہلاکت سے محفوظ رہے۔ اس خاص مقدار میں غذا کا ترک کرنا اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ پس اگر ترک غذا کی وجہ سے مر گیا تو نافرمان ٹھہرے گا۔''(۸۶)

اس کے بعد یہ بھی تحریر کیا ہے:

> ''جو شخص اضطرار کی حالت میں مردار (جو میسر ہے) نہ کھائے یا روزہ رکھ لے، یہاں تک کہ مر جائے تو گنہگار ہو گا۔ کیوں کہ اس نے اپنی جان ضائع کر دی۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ 'بغیر غذا زندہ نہیں رہ سکتا' اور مردار اضطرار اور مجبوری میں یا تو حلا ل ہو جاتا ہے، یا اس کے کھانے پر گناہ اٹھ جاتا ہے۔ پس اس سے باز رہنا جائز نہیں ہو گا، جب کہ جان بچانے کے لیے مردار کے علاوہ کچھ اور میسر نہ ہو...... برخلاف اس شخص کے جو دوا و علاج سے باز رہا، یہاں تک کہ مر گیا۔ اس لیے کہ اس کا یقین نہیں ہے کہ یہ دوا اس کو شفاء دے ہی دے گی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بغیر علاج تندرست ہوجائے۔''(۸۷)

پورے مسئلہ پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے:

(الف) جان کی حفاظت فرض ہے۔

(ب) جو چیز جس مقدار میں جان بچانے کا ذریعہ ہے، اس کا استعمال فرض اور اس کے استعمال سے باز رہنا گناہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان دو اصولوں کی تطبیق یوں کی گئی ہے:

(الف) غذا جان بچانے کا یقینی درجہ ہے۔ اس لئے بقدر ضرورت غذا کا استعمال واجب اور ترک غذا گناہ ہے۔

(ب) دوا جان بچانے کا یقینی ذریعہ نہیں ہے اور نہ دوا کے بغیر شفاء ناممکن ہے۔ اس لئے دوا کا استعمال واجب نہیں اور نہ اس کا ترک گناہ ہے۔

پہلے ذکر کئے گئے دو مسلمہ اصول ہیں اور آخرالذکر ان اصولوں کی تطبیق۔ اصل حیثیت اصول کی ہے۔ تطبیقات میں حالت کے اعتبار سے فرق پڑ سکتا ہے اور اس کے بارے میں دو رائیں بھی ہو سکتی ہیں۔ اگر صورت حال ایسی ہو جائے کہ انسانی علم و تجربہ کے مطابق دوا کا استعمال جان بچانے کے لئے ضروری ہو جائے تو بالکل جس طرح غذا کے ترک پر گنہگار ہونا مسلم ہے، اسی طرح دوا کے ترک پر گنہگار ہونا لازم ہو گا۔

اس سلسلہ میں جن فقہاء نے یہ لکھا ہے: ''دوا سے شفا یقینی نہیں اور غذا سے جان کی حفاظت یقینی ہے'' انہوں نے اس نتیجہ تک پہنچنے میں تجربہ سے ہی کام لیا ہے اور تحری و اجتہاد اور استقراء و تجربہ ہی اس رائے کی بنیاد ہیں۔ لہذا کسی وقت صورت حال ایسی ہو کہ خود مبتلی بہ یعنی مریض یا ڈاکٹر اس نتیجہ تک پہنچیں کہ اگر فلاں دوا نہیں کھائی یا فلاں دوا اس مریض کو نہیں کھلائی گئی تو اس کی موت یقینی ہے۔ایسی حالت میں دوا کا استعمال واجب ہوگا اور اس کا ترک گناہ۔

اس موقع پر دو باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں۔ ایک تو یہ کہ نص صریح سے ثابت ہے کہ ہر مرض کی دوا اللہ نے پیدا کی ہے اوراسباب کے درجہ میں اس دوا سے شفاء کا حصول یقینی ہے۔ شک کی بنیاد صرف دو ہیں۔ ایک یہ کہ کیا طبیب کو اس دوا کی دریافت ہو گئی ہے، جو اس مرض کے لیے اللہ نے پیدا فرمائی ہے۔ دوسری یہ کہ دوا کوئی سی استعمال کی جائے، اس مرض میں مریض کی موت تو مقدر نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے تو کوئی دوا استعمال کی جائے، فائدہ نہیں ہو گا۔لیکن ظاہر ہے کہ تقدیر کی کار سازی تو غذا اور دوا دونوں جگہ ہے۔ اگر موت مقدر نہیں ہے تو مہینوں کھانا نہ کھا کر آدمی زندہ رہ سکتا ہے اور موت مقدر ہو چکی ہے تو پیٹ بھر کر کھا کر بھی آدمی مر سکتا ہے۔ لہٰذا یہ زیر بحث نہیں رہا۔

رہا پہلا مسئلہ یعنی بیماری کی صحیح دوا تک طبیب کی رسائی۔ ظاہر ہے کہ کتاب و سنت کا موضوع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طب نہیں ہے اور نہ ان کا یہ کام ہے کہ ہر بیماری کی دوا بتاتے رہیں۔ نص حدیث سے تو یہ ثابت ہو گیا کہ ہر مرض کی دوا موجود ہے۔ اب انسانی عقل، مشاہدہ اور تجربہ پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ تحقیق کے ذریعہ ان دواؤں کی تلاش کرے۔ انسان کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کسی بیماری کے لیے کسی دوا کا ایسا علم یقینی حاصل کرے، جس کے خلاف احتمال ہی نہ ہو۔ وہ زیادہ سے زیادہ اس بارے میں ظن غالب حاصل کر سکتا ہے۔ اس طرح کے معاملات میں جہاں نصوص اور وحی الٰہی سے کسی شے کا تعین نہیں ہوتا اور نہ ایسی بدیہیات ہیں جن کا علم قطعی بغیر نظر وفکر کے حاصل ہو جاتا ہے۔ آدمی کے علم کی انتہا 'ظن غالب' کا حصول ہے اور شریعت ایسے مقامات اور مسائل میں 'ظن غالب' کا درجہ دے کر حکم متعین کرتی ہے۔

علامہ عزالدین بن عبدالسلام نے اسباب ضرر کی تقسیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دوسری قسم کے وہ اسباب ہیں، جن سے اکثر و بیشتر ضرر پہنچ جاتا ہے۔ اگرچہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ضرر نہ پہنچے، یعنی ان اسباب سے ضرر پہنچنے کا یقین قطعی تو نہیں لیکن ظن غالب ہوتا ہے، تو ایسے اسباب کا ارتکاب بھی جائز نہیں ہو گا۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں:

> ''زیادہ تر حالات میں شریعت ظن کو علم یقینی کے قائم مقام قرار دیتی ہے۔''(۸۸)

محقق کمال الدین ابن ہمامؒ (۷۹۰-۸۶۱ھ/۱۳۸۸-۱۴۵۶ء) ماں کے دودھ سے دوا کا کام لینے کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول ہے کہ جائز نہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اگر اس سے آشوب چشم کے دور ہو جانے کا علم ہو تو جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ (شفاء کا) علم یقینی ممکن نہیں۔ پس مراد یہ ہے کہ (شفاء کا) غالب گمان ہو (تو جائز ہو گا) ورنہ (یعنی شفاء کا ظن غالب نہ ہونا) ممانعت کی علامت ہوگا۔''(۸۹)

اگر دوا سے شفاء کا اور دوا استعمال نہ کرنے کی صورت میں جان کے جانے کا ظن غالب حاصل ہو جائے تو ایسی صورت میں دوا کا استعمال واجب اور اس کا ترک گناہ ہوگا۔

عام طور پر علماء نے دوا کے استعمال کو مباح کہا ہے، اس کا تعلق عام حالات سے ہے اور بعض شافعیہ و حنابلہ نے اگر اسے واجب قرار دیا ہے تو اسے ان مخصوص حالات پر محمول کیا جانا چاہئے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ دوا و علاج کرانا جمہور علمائے امت کے نزدیک واجب نہیں اور ایک چھوٹی سی جماعت جیسے بعض اصحاب شافعیؒ و احمدؒ نے اسے واجب قرار دیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔(۹۰) اس کے بعد دوا و علاج کے حکم شرعی پر تحقیقی بحث کرتے ہوئے شیخ الاسلام لکھتے ہیں:

''دوا و علاج کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف رائے ہے کہ وہ مباح ہے یا مستحب یا واجب۔ جب کہ تحقیق یہ ہے کہ علاج بعض صورتوں میں حرام، بعض صورتوں میں مستحب اور بعض صورتوں میں واجب ہے۔ واجب اس صورت میں ہے کہ جب معلوم ہو کہ اس دوا سے جان بچ جائے گی، اس کے بغیر نہیں۔ جیسے حالت اضطرار میں مردار کا کھانا واجب ہو جاتا ہے ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کے نزدیک۔ مسروق نے کہا کہ جو مردار کھانے پر مضطر ہو اور وہ نہ کھائے یہاں تک کہ مر جائے تو جہنم میں داخل ہو گا۔ کبھی ایسی ہی صورت حال سے انسان کو بیماری کی شدت کی صورت میں دوچار ہونا پڑتا ہے کہ اگر علاج نہیں کرائے گا تو مرجائے گا اور علاج و دوا سے زندگی بچ جاتی ہے، جیسے کمزور کے لئے غذا، یا کبھی (بعض امراض میں) خون نکلوانا۔''(۹۱)

خلاصہ یہ ہے کہ دوا و علاج جو عام حالات میں محض مباح ہے۔ ضروری نہیں کہ ہمیشہ یہی حکم رہے۔ بعض حالات میں دوا کا استعمال واجب بھی ہوتا ہے۔

اس تفصیلی بحث کے بعد اب ہم اصل مسئلہ زیر بحث کی طرف لوٹتے ہیں۔ یعنی ایک شخص ایک ایسے مرض میں مبتلا ہے جو اطباء کی نگاہ میں لاعلاج ہے، لیکن فوری طور پر مہلک نہیں۔ اسی دوران اسے ایسا مرض لاحق ہو جاتا ہے، جو طبی نقطہ نظر سے مہلک اور جان لیوا ہے۔ لیکن اس نئے مرض کی ایسی دوائیں میڈیکل سائنس نے دریافت کر لی ہیں، جن سے شفاء کے حصول کا ظن غالب ہے۔ ایسی صورت میں دوا کے استعمال سے جان بچ جائے اور دوا استعمال نہ کی جائے تو یہ شخص مر جائے گا، اس کا ظن غالب ہے تو ایسے حالات میں فقہاء کی عام عبارتوں کا سہارا لے کر یہ کہنا کہ علاج محض مباح ہے، اس لیے اس کا ترک گناہ نہیں ہو گا، صحیح نہیں۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ جان بچانے کے لیے دوا کا استعمال اس صورت میں واجب ہو گا اور اس کا ترک گناہ۔

علاوہ ازیں علاج کے محض جائز یا واجب ہونے کی بحث سے ہم قطع نظر بھی کر لیں تو بھی مسئلہ یہ ہے کہ اپنی جان دے دینے یا دوسروں کی جان لے لینے کی نیت سے دوا سے گریز جیسا کہ Passive Euthanasia میں ہوا کرتا ہے، شرع اسلامی کے رو سے کبھی جائز نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ شرع کا مسلمہ اصول ہے: ''**الامور بمقاصدھا**'' کسی عمل کی شرعی حیثیت کے تعین میں اس عمل کے پس منظر میں چھپے ہوئے مقصد کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مباحات کا حکم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شرعی نیت اور مقصد کے پیش نظر مختلف ہوتا ہے۔ علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے:

''جائز کاموں کی صفت (یعنی اس کا شرعی حکم) جس مقصد کے لیے وہ کام کیا جا رہا ہے، اس کے پیش نظر بدلتا رہتا ہے۔''(۹۲)

پس جان دینے اور جان لینے کی نیت کے ساتھ اس مباح کا ترک جائز نہیں، حرام ہو گا۔

آخر میں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اس خاص صورت میں علاج معالجہ سے گریز محض 'ترک' نہیں، بلکہ 'کف' ہے۔ یعنی کسی کام کا نہیں کرنا بہ ذات خود کوئی عمل نہیں جس پر جواز و عدم جواز کا حکم لگایا جائے۔ لیکن اپنے کو کسی کام سے روک لینا عمل جسمانی نہیں بلکہ عمل نفسی ہے، جس کا تعلق قلب کے ارادہ سے ہے۔ اس لیے اس پر ثواب و عتاب مرتب ہو گا، کیوں کہ انسان جس طرح عمل جسمانی کا مکلّف ہے، اسی طرح عمل نفسی کا بھی ذمہ دار ہے۔ اسی لیے جن امور سے شرع نے روکا ہے ان کو نہ کرنا کوئی عمل نہیں، محض ترک ہے۔ لیکن خود کو اس عمل سے روک لینا عمل ہے، جسے 'کف' کہا جاتا ہے اور اس پر ثواب ہوتا ہے۔ الاشباہ والنظائر میں تروک کی بحث میں علامہ حموی لکھتے ہیں:

''یعنی 'کف' (کسی عمل سے اپنے کو روکنا) فعل نفس ہے۔ اس لیے کہ فعل جیسے اعضا و جوارح کے ہوتے ہیں، نفس کے بھی ہوتے ہیں۔ پس 'ترک عمل' اس حیثیت سے کہ ترک ہے، اس پر ثواب کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔''(۹۳)

لیکن کسی کام سے اپنے کو باز رکھنا فعل وعمل ہے، جس پر ثواب و گناہ مرتب ہو سکتا ہے۔ حموی نے اس کی دلیل یہ لکھی ہے کہ 'قرآن کو چھوڑ دینے' کو قوم کا عمل بتایا ہے: **ان قومی اتخذوا هذا القرآن مهجوراً**. (الفرقان: ۳۰) اور حدیث میں 'حفظ لسان' (یعنی زبان سے کوئی لغو اور جھوٹی بات نہ نکالنا) کو بہترین عمل قرار دیا گیا ہے۔

زیر بحث معاملہ میں علاج سے باز رہنا بھی ایک عمل ہے، جس کا مقصد جان کو ضائع کرنا ہے۔ چوں کہ Active Euthanasia میں دوا دے کر مارنا 'عمل جسمانی' ہے اور Passive Euthanasia میں دوا سے روک کر مارنا ہے، جو 'عمل نفسی' ہے۔ اس لیے دونوں ہی صورتیں ناجائز اور حرام ہیں۔

مصنوعی علاج نہ کرانے میں کوئی حرج نہیں:

البتہ آخری صورت وہ رہ جاتی ہے جس میں مصنوعی آلات اور مشینوں کے ذریعہ سانس کی آمد و رفت باقی رکھی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک تکلف اور مصنوعی حیات ہے، جس کی بقا کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشین لگا کر سانس کی آمد و رفت قائم رکھنے کو شرعاً ضروری نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے ایسی مشینوں کو ہٹا لینا جائز ہو گا۔(۹۴)

مصنوعی علاج (Artificial treatment) کے سلسلہ میں علامہ یوسف القرضاوی کی بھی یہ رائے ہے کہ اس طرح کے علاج کو ترک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''وہ مریض جسے مصنوعی طریقوں سے زندہ رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اسے ان مصنوعی طریقوں سے زندہ رکھنا نہ شریعت کی نظر میں واجب ہے اور نہ مستحب، بلکہ اس کے برعکس اس علاج کا بند کر دینا زیادہ بہتر ہے۔ اس طرح علاج بند کر دینے سے اگر مریض کی موت ہو جاتی ہے تو اسے قتل میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے کہ مصنوعی طریقے سے اسے زندہ رکھنا اس کے مرض کی مدت میں اضافہ کرنا ہے اور یہ مصنوعی طریقے اتنے مہنگے ہیں کہ عام آدمی ان اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہ کوئی نہیں جانتا کہ ان مہنگے مصنوعی طریقوں کا استعمال کتنے دنوں تک چلتا رہے گا۔ ایسی صورت میں میری رائے یہی ہے کہ مریض کا علاج بند کر دیا جائے تاکہ وہ اپنی طبعی موت مر سکے۔''(۹۵)

خلاصۂ بحث:

حاصل بحث کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ نہ تو مریض کو اس کا حق حاصل ہے کہ شدید تکلیف سے بچنے کے لیے 'ایکٹو یوتھینزیا' پر عمل کر کے اپنی جان کو ہلاک کرے اور نہ ہی مریض کے رشتہ داروں کو اس کا اختیار ہے کہ مریض کی تکلیف کو دیکھ کر یا پھر اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ڈاکٹروں کو یہ مشورہ دے کہ اسے اس عمل سے گزار کر موت کی منزل تک پہنچا دیا جائے اور نہ ہی ڈاکٹروں کو چاہیے کہ وہ مریض کو اور نہ اس کے قریبی احباب کو اس عمل کے اختیار کرنے کا مشورہ دے۔ ہر صورت میں یہ فعل حرام ہو گا۔ اسی طرح 'پیسیو یوتھینزیا' کی مذکورہ تمام صورتیں ناجائز ہیں، کیوں کہ جان کی حفاظت کو اسلام نے فرض قرار دیا ہے اور ایسی صورت میں دوا و علاج کو واجب۔ ترک واجب گناہ ہے۔ البتہ مصنوعی طریقہ علاج کو ترک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیوں کہ یہ تکلف ہے۔

آل انڈیا فقہ اکیڈمی دہلی نے سولہویں فقہی سمینار منعقدہ ۳۱؍ مارچ تا ۲؍ اپریل ۲۰۰۷ء (بمقام دارالعلوم مہذب پور، اعظم گڑھ) جس میں راقم الحروف بھی شریک تھا، میں علمائے ہند کی آرا کو سامنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھ کر متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ یہ فعل ناجائز اور حرام ہے۔ اکیڈمی نے تجاویز میں اس بات کی رعایت ضرور رکھی ہے کہ اگر کوئی شخص یا اس کے احباب علاج کے اخراجات کے متحمل نہ ہوں اور کوئی دوسری صورت مالی تعاون کی بھی نہ ہو تو ایسی حالت میں وہ خدا پر بھروسہ کر کے علاج ترک کر سکتا ہے، البتہ تشفی کے لیے معمولی علاج ضرور جاری رکھے۔ کبھی کبھی معمولی علاج بھی مریض کو صحت عطا کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے اور اسے کثیر الاخراجات علاج سے بچا دیتا ہے۔ اکیڈمی کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں:

> ''شریعت اسلامی میں انسانی جان کی بڑی اہمیت ہے اور حتی المقدور اس کی حفاظت خود اس شخص کا اور دوسروں کا فریضہ ہے، اس لیے:
>
> (۱) کسی مریض کو شدید تکلیف سے بچانے یا اس کے متعلقین کو علاج اور تیمارداری کی زحمت سے نجات دلانے کے لیے عمداً ایسی تدبیر کرنا جس سے اس کی موت واقع ہوجائے، حرام ہے اور یہ قتل نفس ہے۔
>
> (۲) ایسے مریض کو گو مہلک دوا نہ دی جائے، مگر قدرت کے باوجود اس کا علاج ترک کر دیا جائے، تاکہ جلد سے جلد اس کی موت واقع ہو جائے، یہ بھی جائز نہیں ہے۔''

مآخذ و مراجع

1. Churdhill livingstone Medical Dictionary Naney Roper, P:114, Cong. Group Limt. Edinburgh. EHI. 1981
2. Health Encyclopedia. Dr. Robert Yougson, P:280-282, London, 2001

۳۔ صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات، مولانا جلال الدین عمری، ص: ۲۶۱-۲۶۴، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۲۰۰۲ء

۴۔ صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات، ص: ۲۶۳

۵۔ صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات، ص: ۲۶۴-۲۶۵

۶۔ الموافقات فی اصول الشریعة، ابی اسحٰق الشاطبی، ص: ۱۶۳، ج:۲، المسئلة الثانیہ، مطبع رحمانیہ، مصر

۷۔ سنن ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث، کتاب الجنائز، باب فضل من مات بالطاعون

۸۔ علامہ شامی لکھتے ہیں: (ولنفسا) ظاهره سواء ماتت وقت الوضع او بعده قبل انقضاء مدت نفاس...... (وقد عدهم السيوطي الخ) ای في التثبيب نحو ثلاثين فقال: من مات بالبطن...... او بالجمع بالضيم بمعنى المجموع كا لذخر بمعنى المذخور...... والمعنى: انها ماتت من شئ مجموع فيها غير منفصل عنها من حمل اوبكارة، وقد تفتح الجيم ايضاً علىٰ قلة، قال النبی ﷺ ايما امرة ماتت بجمع فهو شهيد.(ردالمحتار علی الدرالمختار، محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین، ص: ۱۵۳-۱۵۴، ج: ۳، دارالکتاب، دیوبند)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹۔ صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات، ۲۵۵-۲۵۶

۱۰۔ القرآن الکریم و ترجمة معانیه و تفسیر الی اللغة الاردیة، ترجمہ شیخ الہند محمود الحسن،تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی، ص:۱۹۷

۱۱۔ سنن ابو داؤد، کتاب النکاح، باب ماجاء فی العزل...... مسند احمد، احمد بن حنبل الشیبانی، ص:۳۱۲، ج:۳، بیت الافکار الدولیه...... صحیح مسلم، مسلم بن حجاج قشیری، کتاب النکاح، باب حکم العزل...... سنن نسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی، کتاب النکاح، باب حکم العزل

۱۲۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب حکم العزل

۱۳۔ سنن ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی کراهیة العزل

۱۴۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب حکم العزل

۱۵۔ سنن ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی کراهیة العزل

۱۶۔ (۱) علاء الدین ابی بکر مسعود الکاسانی لکھتے ہیں: ویکره للزوج ان یعزل عن امراته الحر بغیر رضا ها لان الوطیء عن انزال سبب لحصول الولد ولها فی الولد حق و با لعزل یفوت الولد فکانه سببا لفوات حقها وان کان العزل برضائها لایکره لانها رضیت بفوات حقها. بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، علاء الدین ابی بکر مسعود الکاسانی، ص:۳۳۴، ج:۲، مطبعة شرکة المطبوعات العلمیه، مصر، ۱۳۲۷ھ- البحرالرائق فی شرح کنزالدقائق، زین الدین الشہیر بابن نجیم، ص:۲۰۰، ج:۳، دارالکتب العربیۃ الکبری، مصر-فتح القدیر، کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن ہمام، ص: ۴۹۴، ج:۲، مطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق، مصر، ۱۳۱۰ھ)

(۲) شافعی مسلک کے ترجمان علامہ نووی لکھتے ہیں: وهو مکروه عندنا فی کل حال وکل امرأة سواء رضیت ام لا لانه طریق الی قطع النسل ولهذا جاء فی الحدیث الاخر تسمیة الوأد الخفی لانه قطع طریق الاولاد کما یقتل المولود بالواد و اما التحریم فقال اصحابنا لایحرم فی مملوکته ولا فی زوجته الأمة سواء رضیت ام لا .(صحیح مسلم بشرح النووی، ص: ۹-۱۰، ج: ۴، جز: ۱۱، دارالریان، للتراث القاہرہ، ۱۹۸۷ء)

(۳) امام مالک لکھتے ہیں: لا یعزل الرجل المرأة الحرة. الاباذ نها، ولابأس ان یعزل عن امته. بغیر اذنها، ومن کانت تحته، امة قوم، فلا یعزل الا باذنها.(موطا امام مالک، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی العزل)

(۴) ابن قدامہ لکھتے ہیں: والعزل مکروه ،لان فیه تقلیل النسل وقطع اللذة عن الموطوعة، فان عزل من غیرها حاجة کره ولم یحرم...... ویجوز العزل عن امة بغیر اذنها نص علیه احمد وهو قول مالک وابی حنیفة والشافعی،ولایعزل عن زوجة الحرة الاباذنها.(المغنی لابن قدامہ ص: ۲۳-۲۴، ج: ۷، مکتبہ ریاض الحدیث، الریاض، ۱۹۸۱ء)

۱۷۔ فقد حرمه طائفة من العلماء ،لکن مذهب الائمة الاربعة انه یجوز باذن المرأة.(مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ، ص:۱۰۸، ج: ۳۲، دارالعربیہ، بیروت، لبنان)

۱۸۔ اما صومها وصلاتها فصحیحة وان کان ذلک الدواء فی جوفها.واما جواز ذلک ففیه نزاع بین العلماء،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والاحوط: انه لایفعل، والعزل مکروہ۔(مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ، ص: ۲۷۱-۲۷۲، ج: ۳۲)

۱۹۔ صحیح البخاری، ابو عبد اللہ بن اسمٰعیل البخاری، کتاب الطب، باب ما انزل اللہ داء الا انزل له شفاء. سنن ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی الادویة المکروھة...... مسند احمد، ص: ۲۷۸، ج:۴...... سنن ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید الربعی، ابواب الطب، باب ما انزل اللہ داء الا انزل له شفاء

۲۰۔ موطا، امام مالک، کتاب العین، باب تعالج المریض

۲۱۔ صحیح مسلم کتاب السلام، باب لکل داءٍ دواءٌ استحباب التداوی

۲۲۔ شرح السیر الکبیر، محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی، ص:۸۹، ج:۱، دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد، ۱۳۳۵ھ...... فتاوی عالمگیری (مترجم اردو: سید امیرعلی) ص:۸۸، ج۹، مطبع حامد اینڈ کمپنی، دہلی، ۱۹۸۸ء

۲۳۔ دیکھئے حاشیہ۱۹

۲۴۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی تمرة العجوة. شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، مگر اس سے دوا و علاج اور ڈاکٹروں کے جان کار اور ماہر ہونے کی اہمیت کا اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ جب ڈاکٹر اپنے فن میں ماہر نہیں ہوگا تو اس کا علاج بھی شفاء بخش نہیں ہوسکتا اور نہ پر اعتماد ہوسکتا ہے۔

۲۵۔ سنن ابوداؤد، کتاب الدیات، باب فی من تطبب بغیر علم فأعنت

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ جدید حیاتیاتی مسائل اور اسلام، ابوالفضل محسن ابراہیم (مترجم اردو: اسرار احمد خاں، ۳۵، مرکز الدراسات العلمیہ، علی گڑھ، ۱۹۹۰ء

۲۸۔ مسند احمد، ص: ۲۷۸، ج:۴، بیت الافکار الدولیۃ...... سنن ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی الرجل یتداوی...... سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، باب ماانزل اللہ داء الاانزل له شفاء

۲۹۔ جامع الترمذی، ابو عیسیٰ ترمذی، ابواب الطب، باب ما جاء فی الدواء والحث علیه ...... نصب الرایه، محمد بن عبداللہ یوسف الحنفی، زیلعی، ص:۲۸۳، ج:۴، مطبوعہ مجلس العلمی، ڈابھیل، ۱۹۳۸ء

۳۰۔ مسند احمد، ص: ۲۷۸، ج:۴

۳۱۔ الطب النبویؐ، امام ابن قیم، ص:۱۰۷، مطبع التوبجی التجاریہ، قاہرہ، ۱۴۰۴ھ

۳۲۔ جامع الترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عیادة المریض...... سنن ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فضل العیادة

۳۳۔ صحیح مسلم، کتاب البروالصلة، باب فضل عیادة المریض– جامع الترمذی، ابواب الجنائز،باب ماجاء فی عیادة المریض

۳۴۔ صحیح البخاری، کتاب المرضیٰ، باب وجوب عیادة المریض.کتاب الجهاد، باب فکا ک الاسیر.کتاب النکاح، باب حق اجابة الولیمة والدعوة ومن اولم ایاماً ونحوه .کتاب الاطعمة ،باب قول اللہ تعالیٰ: کلوا من طیبٰت مارزقنکم . کتاب الاحکام، باب اجابة الحاکم الدعوة

۳۵۔ صحیح البخاری، کتاب المرضیٰ، باب ماجاء فی کفارة المریض ...... صحیح مسلم، کتاب البروالصلة والاداب، باب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثواب المؤمن فی مایصیبه

۳۶۔ جامع الترمذی، ابواب الزھد، باب یوم القیامة وندامة المحسن والمسی یومئذ (قال الترمذی ھذا حدیث غریب لانعرفه بهذ الاسناد الا من ھذا الوجه)

۳۷۔ صحیح البخاری، کتاب المرضیٰ، باب اشد الناس بلاء،باب شدة المریض

۳۸۔ قال الشیخ عبدالقادر: یا بنی!ان المصیبة ماجاء ت لتهلک،وانما جاء ت لتمتحن صبرک وایمانک......ان یعلم انه لولامحن الدنیا ومصائبها،لاصاب العبد—من ادواء الکبر والعجب والفرعنة وقسوة القلب—ماھو سبب ھلاکه عاجلا وآجلا،فمن رحمة ارحم الراحمین ان یتفقده فی الاحیان بانواع من ادویة المصائب،تکون حمیة له من ھذه الادواء،وحفظا لصحة عبودیته، واستفراغا للمواد الفاسد الردیئة المهلکة منه،فسبحان من یرحم ببلاء،ویبتلی بنعمائه کما قیل:

قد ینعم الله بالبلویٰ وان عظمت ویبتلی الله بعض القوم بالنعم

(زاد المعاد، امام ابن قیم الجوزی،ص:۱۹۴،ج:۴،مکتبۃ المنار اسلامیہ،کویت، ۱۹۸۷ء)

۳۹۔ مسنداحمد،ص:۸۷،ج:۴......جامع الترمذی، کتاب الزھد،باب ماجاء فی الصبر علی البلاء

۴۰۔ صحیح البخاری، کتاب المرضی، باب فضل من یصرع من الریح ...... صحیح مسلم، کتاب البروالصلة، باب ثواب المومن فیما یصیبه.

۴۱۔ صحیح مسلم، کتاب الزھد والرقاق، باب ا لمومن امره کله خیر......سنن ابوداوٗد، کتاب الجنائز،باب کراھیة تمنی الموت لایدعوا احدکم بالموت

۴۲۔ قصص القرآن، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ص:۱۸۹، مکتبہ قاسمیہ، لاہور

۴۳۔ صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات، ص:۲۷۷۔۲۷۸

۴۴۔ صحیح البخاری، کتاب المرضیٰ، باب نهي تمنی المریض الموت.کتاب الدعوات،باب الدعا بالموت والحیاة.کتاب التمنی ،باب مایکره من التمنی

۴۵۔ صحیح البخاری، کتاب المرضیٰ، باب نهي تمنی المریض الموت،کتاب الدعوات ،باب الدعا بالموت والحیاة.کتاب التمنی، باب مایکره من التمنی

۴۶۔ صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الشفاء فی ثلاث

۴۷۔ صحیح البخاری، کتاب المرضی، باب نهي تمنی المریض ...... صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب کراھیة تمنی الموت

۴۸۔ صحیح البخاری، ابواب تقصیر الصلوٰة، باب اذا لم یطق قاعدا صلی علیٰ جنب .باب صلوٰة القاعد...... جامع الترمذی، ابواب الصلوٰة، باب ماجاء ان صلوٰة القاعد....... مزید تفصیل کے لئے ملا حظہ کریں: ہدایہ، برہان الدین ابو الحسن بن ابی بکر المرغینانی، ص: ۱۴۵-۱۴۷، ج:۱، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی

۴۹۔ ہدایہ، ص:۳۲، ج:۱...... فتاوی عالمگیری، ۴۲، ج:۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۰۔ احکام القرآن، ابوبکر جصاص، ص:۱۵۰، ج:۱، مطبع بہیہ، مصر، ۱۳۴۷ھ

۵۱۔ صحیح البخاری، کتاب الحدود،باب کتاب المحاربین من اھل الکفر والردة. باب لم یسق المرتدون المحاربون حتیٰ ماتوا.باب سمرالنبیﷺ اعین المحاربین. کتاب الدیات،باب القسامة.کتاب الوضوء، باب ابوال الابل والدواب . کتاب الزکوٰة ،باب استعمال الابل الصدقة والبانھا لابنا ء السبیل. کتاب الجھاد،باب اذا احرق المشرک المسلم بل یحرق.کتاب المغازی ،باب انما جزآؤ الذین یحاربون اللہ ورسولہ. کتاب الطب،باب الدواء بالبان الابل.باب الدواء بابوال الابل. باب من خرج من ارض ...... صحیح مسلم، کتاب القسامہ والمحاربین،باب حکم المحاربین والمرتدین...... سنن ترمذی، کتاب الطب، باب ماجاء شرب ابوال الابل

۵۲۔ الاشباہ والنظائر، علامہ ابن نجیم، ص:۱۴۰، مطبوعہ دار العلوم دیوبند، ۱۴۰۶ھ

۵۳۔ احکام القرآن، ابن عربی مالکی، ص:۲۵ ، ج:۱، مطبعة السعادة، مصر، ۱۳۳۱ھ

۵۴۔ احکام القرآن، ابوبکر جصاص،ص:۱۴۹، ج:۱

۵۵۔ فتاویٰ عالم گیری، ۸۸، ج:۹...... ردالمختار علی الدرالمختار،ص:۳۲۵، ج:۱ ...... فتح القدیر(تکملہ) ابن ہمام، ص:۸۱، ج:۸، المطبعة الکبری الامیر ببولاق ، مصر، ۱۳۱۸ھ

۵۶۔ الاشباہ والنظائر،ص:۱۴۲......فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، مولانا تقی امینی، ص:۲۷۱، ندوة المصنفین، دہلی، ۱۹۷۳ء

۵۷۔ السنن الکبریٰ، ابو بکر احمد الحسین علی البیہقی، ص۵، ج:۱۰، دار المعارف، حیدرآباد، ۱۳۵۵ھ...... اس اختلاف کے سلسلہ میں محمد بن اسماعیل المعروف بالامیر لکھتے ہیں کہ :والحدیث دلیل علی انہ یحرم التداوی بالخمر لانہ اذالم یکن فیہ شفاء،فتحریم شربھا باق لایرفعہ تجویز انہ یدفع بھا الضررعن النفس،والیٰ ھذا ذھب الشافعی.وقالت الھادویة: الا اذا غص بلقمہ ولم یجد مایسوغھابہ الاالخمر جاز.وادعی فی البحر الاجماع علی ھذا،وفیہ خلاف.وقال ابوحنیفة: یجوزالتداوی بھا کما یجوز شرب البول والدم وسائرالنجاسات للتداوی.قلنا:القیاس باطل فان المقیس علیہ محرم بالنص المذکورلعمومہ لکل محرم.(فائدہ)فی النجم الوھاج قال الشیخ:کل مایقول الاطباء من المنافع فی الخمر وشربھا کان عند شھادة القرآن ان فیھا منافع للناس قبل. واما بعد نزول آیة المائدة،فان اللہ تعالیٰ الخالق لکل شی سلبھا المنافع جملة فلیس فیھا شئ من المنافع.وبھذا تسقط مسألة التداوی بالخمر،والذی قال منقول عن الربیع والضحاک،وفیہ حدیث اسندہ الثعلبی وغیرہ ان النبی ﷺ قال: ان اللہ تعالیٰ لما حرم الخمر سلبھا المنافع...وعن وائل:ھوابن حجر بضم الحاء وسکون الجیم الحضرمی ان طارق بن سوید سأل رسول اللہﷺ عن الخمر بصنعھا للدواء فقال:انھا لیست بدواء ولکنھا داء.اخرجہ مسلم وابوداؤد وغیرھما.افادالحکم الذی دل علیہ الحدیث الاول ھوتحریم التداوی بالخمر وزیادة الاخبار بانھا داء. (سبل السلام شرح بلوغ المرام:من ادلة الاحکام،محمد بن اسماعیل الکحلانی ثم الصنعانی المعروف بالامیر،ص:۳۶،ج:۴،المکتبة التجاریہ الکبریٰ بیروت)

۵۸۔ اختلف فی التداوی بالمحرم،ففی النھایة عن الذخیرہ:یجوز ان علم فیہ شفاء ولم یعلم دواء آخر وفی الخانیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فی معنی قوله علیه الصلوة والسلام :ان الله لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم کما رواه البخاری ان مافیه شفاء لاباس به،کما یحل الخمر للعطشان فی الضرورة،وکذا اختاره صاحب الهدایة فی التجنیس فقال:لو رعف فکتب الفاتحة بالدم علی جبهته وانفه جاز للاستشفاء،وبالبول ایضاً ان علم فیه شفاء لابأس به،لکن لم ینقل، وهذا لان الحرمة ساقط عند الاستشفاء کحل الخمر والمیتة للعطشان والجائع .من البحروافاد سیدی عبدالغنی انه لایظهر الاختلاف فی کلامهم لاتفاقهم علی الجواز لضرورة،واشتراط صاحب النهایة العلم لاینافیه اشتراط من بعده الشفاء،ولذا قال والذی فی شرح الدرر:ان قوله لاللتداوی محمول علی المظنون،والافجوازه بالیقین اتفاق کما صرح به فی المصفی.(*رد المختار علی الدرالمختار*، ص:۳۲۵، ج:۱)

۵۹۔ *معارف القرآن،مفتی محمد شفیع*، ص:۳۶۹-۳۷۰،ج:۱،*ربانی بک ڈپو،دہلی*۔۱۹۹۸ء

۶۰۔ اختلف فی التداوی بالمحرم،وظاهر المذهب المنع کما فی رضاع البحر،لکن نقل المصنف ثمة وهنا عن الحاوی:وقیل یرخص اذا علم فیه الشفاء،ولم یعلم دواء آخر کما رخص الخمر للعطشان ،وعلیه الفتویٰ.(*ردالمختار علی الدرالمختار*، ص: ۳۲۵، ج:۱)

۶۱۔ ومع هذافان للضرورة حکمها فی نظر الشریعة،فلو فرض ان الخمر اوما خلط بها تعینت دواء لمرض یخشی منه علیٰ حیاة الانسان،بحیث لایغنی عنها دواء آخر–وما اظن ذلک یقع– ووصف ذلک طبیب مسلم ماهر فی طبه،غیور علیٰ دینه،فان قواعد الشریعة القائمة علی الیسر،ودفع الحرج لا تمنع من ذلک. علیٰ ان یکون فی اضیق الحدود الممکنة .(فمن اضطر غیر باغ ولاعاد الایة(الانعام:۱۴۵) (*الحلال والحرام فی الاسلام، علامہ یوسف القرضاوی*، ص:۶۷،*مکتبہ وهبة القاہرہ*،۱۹۷۶ء)

۶۲۔ صحیح البخاری، کتاب الأیمان والنذور، باب یمین الغموس ولا تتخدوا ایمانکم. کتاب الدیات ،باب ومن احیاها. کتاب الإستتابة المرتدین وقتالهم، باب اثم من اشراک بالله

۶۳۔ ان رسول اللهﷺ التقی هو والمشرکون فاقتتلوا،فلما مال رسول اللهﷺ الیٰ عسکره ومال الآخرون الیٰ عسکرهم،وفی اصحاب رسول الله ﷺ رجل لایدع لهم شاذة ولا فاذة الا اتبعها یضربها بسیفه، فقال: ما اجزا منا الیوم احدکما اجزاء فلان، فقال رسول اللهﷺ اما انه من اهل النار،فقال رجل من القوم:انا صاحبه قال: فخرج معه کلما وقف وقف معه، واذا اسرع اسرع معه،قال:فخرج الرجل جرحا شدیدا فاستعجل الموت فوضع نصل سیفه فی الارض وذبابه بین ثدییه،ثم تحامل علیٰ سیفه فقتل نفسه،فخرج الرجل الیٰ رسول اللهﷺ فقال:اشهد انک رسول اللهﷺ، قال: وماذاک؟ قال: الرجل الذی ذکرت آنفا انه من اهل النار فاعظم الناس ذلک فقلت:انالکم به،فخرجت فی طلبه ثم جرح جرحا شدیدا ،فاستعجل الموت فوضع نصل سیفه فی الارض وذبابه بین ثدییه ثم تحامل علیه فقتل نفسه،فقال رسول اللهﷺ عند ذلک:ان الرجل لیعمل عمل اهل الجنة فیما یبدو للناس وهو من اهل النار،وان الرجل لیعمل عمل اهل النار فیما یبدو للناس وهو من اهل الجنه.(*صحیح البخاری*، کتاب الجهاد، باب لایقول فلاں شهید. کتاب المغازی، باب غزوة خیبر. کتاب الرقاق،باب الاعمال بالخواتیم ومایخاف منها. کتاب القدر،باب العمل بالخواتیم...... صحیح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلم، کتاب الایمان، باب غلط تحریم قتل الانسان نفسه)

۶۴۔ صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب ذکر عن بنی اسرائیل۔ کتاب الجنائز، باب ماجاء فی قاتل النفس

۶۵۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان،باب تحریم قتل الانسان نفسه...... شرح نووی علیٰ صحیح مسلم، ابو ذکریا یحییٰ بن شرف النووی، کتاب الایمان، باب غلط تحریم قتل الانسان نفسه،ص:۱۱۸،ج:۱،جز:۲،دارالریان للتراث قاہرہ، ۱۹۸۷ء ......سنن ترمذی، کتاب الطب،باب ماجاء فیمن قتل نفسه بسم اوغیره ...... مزید تشریح اور تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں: صحیح مسلم مع فتح الملهم، علامہ شبیر احمد عثمانی،ص:۲۶۵،ج:۱،مکتبہ اشرفیہ دیوبند،۱۹۹۹ء

۶۶۔ سنن ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب الامام لایصلی علی من قتل نفسه

۶۷۔ سنن ابوداؤد، کتاب الحدود،باب الحکم فیمن ارتد......صحیح مسلم،کتاب القسامة والمحاربین والقصاص والدیات،باب مایباح دم المسلم......جامع الترمذی، کتاب الحدود،باب من شرب الخمر فاجلدوا ومن عاد

۶۸۔ تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ کریں: فتاویٰ عالمگیری، ص:۲۹۳۔۴۵۶، ج:۹

۶۹۔ الاشباه والنظائر، ص:۱۲۵

۷۰۔ الموافقات فی اصول الشریعة، ص:۱۲۳، ج:۲، المسئلة السابعه

۷۱۔ صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات، ص:۲۶۵۔۲۶۶

۷۲۔ صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات، ص:۲۶۸

۷۳۔ صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات، ص:۲۶۳

۷۴۔ صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات، ص:۲۶۷

۷۵۔ صحیح البخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم

۷۶۔ صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات، ص :۲۶۹

۷۷۔ المغنی، ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد قدامہ، ص:۶۴۵، ج:۷، مکتبہ ریاض الحدیث، الریاض، ۱۹۸۱ء

۷۸۔ صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات، ص:۲۷۱

۷۹۔ (۱)مولانا عبدالعزیز صاحب،سابق مفتی مدرسہ مظاہر علوم، سہارن پور (۲) مولانا احمد بیمات صاحب، دارالعلوم فلاح دارین،ترکیسر،گجرات (۳)مولانا عبدالجلیل صاحب قاسمی،قاضی شریعت بتیا،مغربی چمپارن، بہار۔

۸۰۔ من قتل نفسه بحدیدة فحدیدته فی یده یتوجا بها فی بطنه فی نارجهنم خالدا مخلدا فیهاابدا،ومن شرب سما وقتل نفسه فهو یتحساه فی نار جهنم خالدا مخلدا فیها ابدا،ومن تردی من جبل فقتل نفسه فهو یتردی فی نارجهنم خالدا مخلدا فیها ابدا. (صحیح مسلم ،کتاب الایمان ، باب تحریم قتل الانسان نفسه......شرح نووی علیٰ صحیح مسلم، باب غلط تحریم قتل الانسان نفسه،ص:۱۱۸، ج:۱،جز:۲،)

۸۱۔ قواعدالاحکام فی مصالح الانام، علامہ عزالدین بن عبدالسلام السلمی،ص: ۸۵،ج:۱

۸۲۔ عن اسامه بن شریک قال:قالت الاعراب:یا رسول اللهﷺ! الانتداوی؟ قال:نعم یا عباداللہ تداووا! فان الله

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لم یضع داء الا وضع له شفاء،اودواء،الا داء ا لا واحدا، فقالوایا رسول الله!وما هو؟ قال:الهرم.(یہ مضمون ٦ صحابہ سے مروی ہے۔ جامع الترمذی، کتاب الطب، باب ماجاء فی الدواء والحث...... منداحمد،ص:۲۷۸، ج:۴...... سنن ابوداؤد، کتاب الطب،باب الرجل یتداوی...... سنن ابن ماجہ، ابواب الطب، باب انزل الله داء الا انزل له شفاء)

۸۳۔ تکمله فتح القدیر، ابن ہمام،ص:۵۰۰،ج:۸

۸۴۔ ولا یجوز للانسان الریاضة بتقلیل الاکل حتی یضعف عن اداء العبادةلقول علیه السلام"نفسک مطیتک فارفق بها"ومن الرفق ان لا یؤذیها ولا یجیعها.(غمز عیون البصائرشرح الاشباه والنظائر للحموی، ص:۱۰۲،ج:۱،طبع بیروت،۱۴۰۵ھ ......مجمع الانہر،ص: ۵۲۴، ج:۲

۸۵۔ واما مالا یمکن تحصیل مصلحته الا بافساد بعضه قطع الید المتا کلة حفظا للروح،اذا کان الغالب السلامة فانه یجوز قطعها وان کان افساد مافیه من تحصیل المصلحة الراجحة وهو حفظ الروح.(قواعدالاحکام فی مصالح الانام،ص:۸۷،ج:۱)

۸٦۔ الاکل (منه)ای بعض الاکل وکذا الشرب (فرض وهو بقدر مایندفع به الهلاک)وفی ترکه القاء النفس فی التهلکة،فان هلک فقد عصی.(مجمع الانہرشرح ملتقی الابحر،ص:۵۲۴،ج:۲)

۸۷۔ (ومن امتنع عن اکل المیتة حال المخمصة اوصام ولم یاکل حتی مات اثم) لانه اتلف نفسه لما بینا انه لابقاء الا بالاکل والمیتة حال المخمصة،اما حلال اومرفوع الاثم فلا یجوز الامتناع عنه اذا تعین لا حیاء النفس......بخلاف من امتنع من التداوی حتی مات فانه لا یاثم،لانه لایقین ان هذا الداوء یشفیه ولعله من غیر علاج کما فی اختیار.(ایضا)

۸۸۔ لان الشرع اقام الظن مقام العلم فی اکبر الاحوال.(قواعد الاحکام فی مصالح الانام، ص:۸۵،ج:۱)

۸۹۔ واختلف المشائخ فیه،قیل :لایجوز،وقیل یجوز اذا علم انه یزول به الرمد.ولا یخفی ان حقیقة العلم متعذرة .فالمراد اذا اغلب علی الظن والا فهو معنی المنع.(فتح القدیر،ص:۸،ج:۳)

۹۰۔ واماالتداوی فلیس بواجب عند جماهیر الآئمة .وانما اوجبه طائفة قلیلة ،کماقال بعض اصحاب الشافعی واحمد.(مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام،امام ابن تیمیہ،ص:۲٦۹، ج:۲۴، دارالعربیہ ،بیروت ،لبنان)

۹۱۔ فان الناس قد تنازعوا فی التداوی هل هو مباح اومستحب او واجب؟ والتحقیق: ان منه ما هو محرم،ومنه ما هو مکروه،ومنه ما هو مباح ،ومنه ماهو مستحب ،وقد یکون منه ما هو واجب، وهو: مایعلم انه یحصل به بقاء النفس لابغیره، کما یجب اکل المیتة عندالضرورة،فانه واجب عندالأ ئمة الاربعة وجمهور العلماء،وقد قال مسروق:من اضطر الی اکل المیتة فلم یاکل حتی مات دخل النار،فقد یحصل احیانا للانسان اذا استحر المرض ما ان لم یتعالج معه مات،والعلاج المعتاد تحصل معه الحیاةکالتغذیة للضعیف، وکاستخراج الدم احیانا.(ایضا،ص:۱۲، ج:۱۸)

۹۲۔ واما المباحات فانها تختلف صفتها باعتبار ما قصدت لاجله. (الاشباه والنظائر مع الحموی،ص:۸۷،ج:۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹۳۔ ان الکف فعل النفس،فان الفعل کما ینسب الی الجوارح ینسب الی النفس،فحینئذ فالترک من حیث هو،هو لا یتصور ان یکون مثابا علیه.(ایضاً)

۹۴۔ سہ ماہی فیضان حبیب،جنوری-جون،۲۰۰۷ء،ص:۴۱-۵۴،دارالعلوم مہذب پور اعظم گڑھ،مضمون :یوتھینیز یا،مضمون نگار: قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ

۹۵۔ فتاویٰ یوسف القرضاوی،علامہ یوسف القرضاوی،ص:۲۱۴،ج:۲، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز،نئی دہلی،۲۰۰۵ء

☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com